سہانی گھڑی

تحریر:
محمد نجم مصطفائی

ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ حنفیہ

تاثرات

علامہ عبد الحلیم ہزاروی، ضلع مانسہرہ پاکستان

باسمہ تعالیٰ

سہانی گھڑی نامی کتاب کا مطالعہ کیا جس میں نہایت عمدہ طریقہ سے حقائق کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے دل کو جو سرور اور سکون ملا ہے میں اس کیلئے الفاظ نہیں رکھتا جو کہ تحریر کئے جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ مسلمان اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں گے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی رغبت دلائیں گے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا ہے کہ اس کتاب کے مصنف محمد نجم مصطفائی اور معاونین کو دونوں جہاں میں سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

۸ / جولائی ۱۹۹۷ء

۱۲ / ربیع الاوّل ۱۴۱۸ھ

انتساب

سرزمین پاکستان میں بسنے والے ہر شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ مگر اس کے باوجود آپس میں بے شمار اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسلام کے دعویداروں کا یہ اختلافات یقیناً اُمتِ مسلمہ کیلئے ایک ناسور سے کم نہیں۔ ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن، ایک دین اور ایک کعبہ کے ماننے والوں کے ان اختلافات میں ایک اختلاف حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں نور و بشر کا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور نہیں بلکہ بشر ہیں۔ جبکہ ایک گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل نور ہے۔ دوسرا اختلاف عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کا ہے۔ کچھ لوگوں کا تو یہ کہنا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد منانا جائز نہیں، بلکہ ناجائز بدعت اور حرام ہے جبکہ ایک گروہ عید میلاد النبی منانے کو جائز اور باعثِ خیر و برکت سمجھتا ہے۔

میں اپنی اس کتاب کا ثواب دنیا بھر کے ان مسلمانوں سے منسوب کرتا ہوں جو بغیر کسی تعصب کے اور کھلے دل اور کھلے ذہن کے ساتھ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل نور ہے یا بشر؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد منانا جائز ہے یا ناجائز؟

آپ کا دردمند بھائی

محمد نجم مصطفائی

پنجاب (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسری صدی ہجری میں ایک بزرگ حضرت ابو محمد سہیل بن عبد اللہ التستری نے ایک نظریہ بعنوان "پیغمبر اسلام پہلے اور آخری نبی" پیش کیا۔ جس کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تخلیق کرنا چاہا تو اپنے نور میں سے ایک نور کو ظاہر کیا۔ جب وہ حجاب الاعظم پر پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سجدے سے ایک زبردست ستون پیدا کیا جو باہر سے نور کے روشن آئینے کی مانند تھا۔

مکی اور دیلامی نے اس بیان کی تائید اس انداز سے کی:۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا کر کے پھیلا دیا وہ نور تمام ازل میں پھیلتا گیا جب وہ نور عظمت کی بلندیوں پر پہنچ گیا تو سجدے میں جھک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سجدے سے ایک نور کثیف کے ستون کی خلقت کی جو آئینے کی طرح شفاف نور تھا۔

ہمدانی نے تستری کے موقف کی تائید ان الفاظ میں کی:۔ اللہ تعالیٰ نے نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ جس سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ یہ نور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لاکھوں سال رہا وہ اسے ہر روز و شب ستر ہزار مرتبہ دیکھتا اور ہر ایک نظر میں وہ اسے ایک نیا نور عطا کرتا، اور ان سے اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات کو تخلیق کیا۔ مکی اور دیلامی اپنی تفاسیر میں بیان کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لاکھوں سال تک ربّ العالمین کی بارگاہ میں بغیر جسم اور شکل کے کھڑے رہے کیونکہ اللہ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تخلیقِ آدم علیہ السلام سے لاکھوں سال قبل مشاہدات کی دولت نچھاور کی تھی۔ (دیکھئے سیرۃ النبی، صفحہ ۱۰۳،۱۰۴)

حضرت ابو محمد سہیل کے مذکورہ بالا نظریہ سے اس حقیقت کا پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو تخلیق کیا اور اس نظریہ کی تائید بڑے بڑے آئمہ کرام، مفسرین کرام اور محدثین کرام نے بھی کی۔ حضرت ابو محمد سہیل بن عبد اللہ کے اس موقف کی تائید قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں تو کثرت سے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا ثابت ہے۔ جس کا اندازہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرتِ الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا، نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھی، نہ فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا، نہ چاند تھا، نہ جنّ اور انسان تھا۔ حتیٰ کہ کائنات کی کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔

(ملاحظہ کیجئے مواہب الدنیہ، ج ۱، ص ۹۔ زرقانی شریف، ج ۱، ص ۶، انوار محمدیہ مواہب الدنیہ۔ مدارج النبوۃ، ج ۱، ص ۳۰۹۔ سیرت حلبی، ص ۳۷۔ مطالع المرات، ص ۲۰۱۔ اس کے علاوہ نشر الطیب از اشرف علی تھانوی دیوبندی۔ سیرت حبیبیہ، ج ۱، ص ۳۷۔ فتاویٰ حدیثیہ، ص ۵۱)

معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے تخلیق کیا گیا۔ ایک اور حدیثِ پاک میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اوّل ما خلق اللّٰہ نوری

سب سے پہلے ربِّ کائنات نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔

(دیکھئے تفسیر نیشاپوری، ص ۵۵۔ مدارج النبوۃ، حصہ دوم، ص ۱۔ تاریخ حبیب اللہ، ص ۳۔ شہاب ثاقب، ص ۴۷، مصنف مولوی حسین احمد دیوبندی۔ معارج رکن اوّل، ص ۱۹۶)

اس حدیثِ پاک سے بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو تخلیق کیا۔ ایک اور حدیثِ پاک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انا من نور اللّٰہ والخلق کلھم من نوری (مدارج النبوۃ)

میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے۔

ایک مرتبہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ارشاد فرمایا، اے جبرائیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی حضور! اتنا جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی ستارہ ستر ۷۰ ہزار برس کے بعد چمکتا تھا میں نے اسے بہتر ۷۲ ہزار مرتبہ دیکھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

وعزۃ ربی انا ذالک الکوکب

میرے ربّ کی عزت کی قسم! میں ہی وہ نورانی تارہ ہوں۔

(دیکھئے تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۹۷۴، از حضرت امام اسماعیل حقی۔ سیرت حلبیہ، ص ۳۶)

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق نوری فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل امین سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد (ترمذی، بخاری)

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام جسم اور روح کے درمیان تھے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اس وقت بھی تھا جبکہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور یہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلیٰ کمال ہے کہ آپ کی نبوت کیلئے بشریت کا ہونا لازمی نہیں اگر لازمی ہوتا تو ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے آپ ہرگز نبی نہ ہوتے۔ آپ کی حقیقت نور ہے۔ ساری کائنات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے معرضِ وجود میں آئی۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو آپ نے اپنا سر اوپر اُٹھایا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کی، اے پروردگار! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے وسیلے سے مجھے معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کون؟

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، الٰہی! جب تُو نے مجھے پیدا کیا میں نے اپنا سر اُٹھا کر تیرے عرش کو دیکھا تو اس پر لکھا ہوا نظر آیا: "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔ تو میں نے یقین کر لیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تیری بڑی معزز اور محبوب ہستی ہیں جس کا نام تُو نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، وہ سب نبیوں کے آخری نبی ہیں اور اس کی اُمت تیری اولاد میں سے سب اُمتوں سے آخری اُمت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے تو اے آدم تُو بھی نہ ہوتا۔

ثابت ہوا کہ آپ کا اسم مبارک عرش پر پہلے ہی لکھا ہوا تھا جس سے یہ واضح ہوا کہ آپ پہلے نبی' بعد میں بشر ہوئے۔ آپ کی اصل نور ہے۔ اور آپ کی تخلیق ساری کائنات سے پہلے ہوئی۔

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہی آپ نبوت کے منصب پر فائز کر دیئے گئے تھے اور خاتم النبیین لکھے جا چکے تھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء ورسل سے ایک عہد لیا۔ جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (پ۳۔ سورۃ آل عمران: ۸۱)

پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے

تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

انبیاء کرام علیہم السلام سے لئے جانے والے اس عہد سے بھی اس حقیقت کا واضح اظہار ہوتا ہے کہ یہ عہد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے لیا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا شہرہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ آپ کی نبوت تمام انبیاء پر دنیا میں آنے سے پہلے ہی ظاہر کر دی گئی تھی۔ ایک نبی کی حیثیت سے آپ کا انتخاب تمام انبیاء کرام سے پہلے ہی ہو چکا تھا بشریت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور آپ کے نور کی تخلیق ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہو چکی تھی۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم مبارک تیار کیا گیا تو روح کو جسم کے اندر داخل ہونے کا حکم ہوا۔ روح اس قید میں آنے اور اس میں داخل ہونے سے گھبرائی جب نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی کو چمکایا تو ہزار جان سے عالم شوق میں روح جسم میں داخل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت ان کے رہنے کیلئے عطا فرمائی۔ (ملاحظہ کیجئے زرقانی شریف، ج ۱، ص ۶۳)

تفسیر کبیر میں ہے کہ نور مبارک پشتِ آدم علیہ السلام ہی میں تھا لیکن اپنے کمالِ نورانیت اور شدت چمک کی وجہ سے پیشانی آدم علیہ السلام میں چمکتا تھا۔ (تفسیر کبیر، ج ا ص ۲)

نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلوہ دیکھنے کیلئے تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی کا طواف کرتے۔

تفسیر بحر العلوم میں ہے کہ جب وہ نور مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا تو ان کی تعظیم و توقیر ہونے لگی آپ جس طرف سے گزر فرماتے تو ملائکہ ان کے آگے پیچھے اکرام و احترام کیلئے جاتے۔ ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا سبب اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تو ارشادِ خداوندی ہوا:۔

"اے آدم! جو نور تمہاری پیشانی میں جلوہ گر ہے اس تعظیم و توقیر کا وہی سبب ہے۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی اے پروردگار! میری یہ خواہش ہے کہ میں بھی نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کروں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں میں منتقل کر دیا جیسے ہی نظر نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پڑی آپ وجد میں آگئے اور فرطِ محبت سے انگوٹھوں کا بوسہ لے کر آنکھوں سے لگایا اور فرمایا:۔

قرة عيني بيك يا رسول الله

اے اللہ کے رسول! میری آنکھیں آپ کے نام سے ٹھنڈی رہیں۔

(زرقانی، ج ا، ص ۱۲۲۔ ۱۱۱۔ روح البیان)

اس نور کے انوار حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں اس طرح نمایاں تھے جیسے سورج دن کے اُجالے میں اور چاند اندھیری رات میں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ عہد لیا گیا کہ یہ نور پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوا کرے چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا علیہا السلام سے صحبت کا ارادہ کرتے تو پاکیزہ ہونے کی تاکید فرماتے حتیٰ کہ وہ نور حضرت حوا علیہا السلام کے پاک رحم میں منتقل ہو گیا۔ جب نورِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حضرت حوا علیہا السلام کی طرف منتقل ہوا تو تمام فرشتے حضرت حوا کی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی الٰہی! یہ سب فرشتے مجھ سے پھر کر حوا کی تعظیم کرنے لگ گئے ہیں۔ حکم ہوا اے آدم! یہ سب تعظیم واکرام تیرے اس نور کے باعث تھی جو تیری پشت میں جلوہ فرما تھا۔ اب چونکہ وہ نور حوا کی جانب منتقل ہو گیا لہٰذا ان سب کی توجہ انہیں کی جانب ہو گئی۔ (معارج رکن، ج ۱، ص ۲۵۶)

ایام حمل میں بپاس ادب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا علیہا السلام سے نزدیکی ترک کر دی حتیٰ کہ حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس طرح جو نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدتوں حضرت آدم علیہ السلام میں رہا آخر وہ نور منتقل ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا، اس کے بعد نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاکیزہ پشتوں اور طاہرہ ارحام کے ذریعے منتقل ہوتا رہا اور جناب انوش، قینان، مہلائیل، یبازاسے ہوتا ہوا حضرت ادریس علیہ السلام تک پہنچا، پھر کئی مراحل طے کرتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل ہوا۔

پھر وہ نور حضرت نوح علیہ السلام سے منتقل ہو کر جناب سام، ارفخشند، حضرت ہود علیہ السلام، جناب شالخ، فالج، اشروع، ارعونا، تارخ سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جا پہنچا اور مدتوں آپ کے پاس رہا۔

مسلمانو! یہاں یہ خیال رہے کہ بعض لوگ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ثابت کرتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ غلط ہے کیونکہ آزر بُت پرست اور بت تراش تھا اور مشرک ہمیشہ نجس و ناپاک ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ (پ ۷۔ سورۃ الانعام: ۷۴)

اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔

اس آیت میں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا "اب" یعنی باپ کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (ایضا)

آزر تو بتوں کو معبود بناتا ہے۔

اس قرآنی آیت سے یہ واضح ہے کہ آزر بت پرست تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن میں آزر کو بت پرست اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا "اب" یعنی باپ کہا گیا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر مشرک تھا۔

پیارے مسلمانو! قرآن مجید میں میں آزر کیلئے جو لفظ "اب" کہا گیا ہے اس کے معنی باپ کے نہیں بلکہ چچا کے ہیں اور لفظ "اب" چچا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس سے ارشاد فرمایا: "ردوا علی ابی" میرے چچا عباس کو میری طرف بھیجو۔

غور فرمایئے یہاں پر بھی لفظ ابی یعنی "اب" آیا ہے جو چچا کیلئے استعمال ہوا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یارسول ابن ابی؟ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: "فی النار" جہنم میں۔ پھر آپ نے اپنے چچا ابولہب کی بابت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ان ابی و اباك فی النار" تیرا باپ اور میرا باپ جہنم میں ہیں۔

اس حدیث میں باپ ابولہب کو کہا گیا ہے جو حضور کا چچا تھا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، میرے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ بیٹوں نے کہا ہم پوجیں گے تمہارے اس معبود کو

ابآئك ابرٰهم و اسمٰعیل و اسحٰق جو تمہارے اباء ابراہیم واسماعیل واسحاق کا بھی معبود ہے۔ (پ ا۔ سورۃ البقرۃ: ۱۳۳)

اس آیت کریمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا اباء کہا گیا ہے حالانکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کے چچا تھے۔

حضرت امام ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:۔

ان ابا ابراهیم لم یکن اسمه ازر وانما کان تارخ

بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔

لیس ازر ابا ابراهیم

آزار ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں۔

(امام ابی شیبہ، ابن المنذر)

چونکہ عرب میں چچا کو باپ کہنا عام تھا کیونکہ چچا باپ کی طرح سمجھا جاتا تھا۔

اہل تارخ کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ تھے اور آزر آپ کا چچا تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی حیات میں ان کے ایمان لانے کی توقع رکھتے تھے۔ وہ ان کیلئے استغفار کرتے رہے وہ ان کو سمجھاتے۔ آزر چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتا تھا اس لئے کھلا انکار مروت کے خلاف سمجھتا اور ٹال کر کہہ دیتا ٹھیک ہے میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ نے آزر سے وعدہ کیا کہ میں تیرے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ مگر جب وہ شرک پر فوت ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے بیزار ہو گئے پھر ان کیلئے استغفار نہیں کیا۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے استغفار کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو باپ نے ان سے کیا تھا

جب انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ (پ ۱۱۔ سورۃ التوبہ: ۱۱۴)

معلوم ہوا جب آزر شرک وکفر پر فوت ہو گیا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے پھر اس کیلئے دعائے مغفرت نہ کی۔ آزر کی موت کے کافی عرصے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کیلئے یہ دعا فرمائی جسے قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (پ ۱۳۔ سورۃ ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! تو مجھے میرے والدین اور تمام مومنین کو بخش دے۔

اس آیت کریمہ میں والدین کی مغفرت کا ذکر ہوا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں مومن تھے اور ان کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مومنین کے درمیان میں ہوا ہے اور کسی نبی اور مومن کے درمیان کافر کا ذکر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ذرا سوچیے اگر آزر والد ہوتا تو ان سے بیزار ہونے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے مرنے کے بعد دعائے مغفرت ہرگز نہ کرتے۔

پس قرآن مجید میں جو "اب" آیا ہے اس سے مراد چچا ہے والد نہیں۔ لہٰذا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا والد نہیں۔ انبیاء کے آباء و اجداد شرک سے پاک ہوتے ہیں۔

پیارے مسلمانو! حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ نور پھر ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے نیک اور پرہیزگار خواتین کے ارحام میں منتقل ہوتا ہوا آخرکار جناب قیذار، حمل، ثابت، یسع، ادد، عدنان، معد، نزار، مضر، الیاس، مدرکہ، خزیمہ، کنانہ، مالک، فہر، غالب، لوی، کعب، مرہ، کلاب، قصی، عبد المناف، ہاشم سے ہوتا ہوا حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچا، جب یہ نور حضرت ہاشم تک پہنچا تو حضرت ہاشم کی پیشانی میں نورِ محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شعاعیں چمکتی تھیں جو یہودی عالم آپ کو دیکھتا آپ کا ہاتھ چومتا اور جس چیز پر سے آپ گزر فرماتے وہ انہیں سجدہ کرتی۔ پھر وہ نور عبد المطلب میں منتقل ہو گیا۔ حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ میں منتقل ہوا تو میں نے کئی عجیب و غریب واقعات دیکھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ایک مرتبہ میں حطیم کعبہ میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان درخت زمین سے ظاہر ہو رہا ہے میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت بڑھتا گیا اور اس کی شاخوں نے آسمان کو چھو لیا اور مشرق سے مغرب تک پھیل گیا۔

جب نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں منتقل ہوا تو ان سے کستوری کی خوشبو آتی جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوہِ ثبیر پر لے جاتے اور ان کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگتے تو وہ مصیبت ٹل جاتی۔ (ملاحظہ کیجیے سیرۃ النبوی، ص ۲۱۔ انوار محمدیہ، ص ۱۸۔ مدارج، حصہ دوم، ص ۹)

روایت میں ہے کہ جب ابرہہ بادشاہ اپنا ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ کعبہ کو گرانے آیا تو ایک سفید ہاتھی بھی ساتھ لایا جو انہدام کعبہ کیلئے لایا گیا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبد المطلب کے چہرے کو دیکھا تو سجدہ میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہاتھی کو بولنے کی قوت عطا کی تو ہاتھی نے کہا، سلام ہو اس نور پر اے عبد المطلب جو تیری پشت میں جلوہ گر ہے۔ (ملاحظہ کیجئے مدارج، ص ۹۔ انوار محمدیہ، ص ۱۹۔ سیرت نبوی، ص ۳۰)

ابن ہشام فرماتے ہیں، حضرت عبد المطلب کی پانچ بیویاں تھیں جن سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں پہلی بیوی کا نام سمیرا بنت جندب تھا۔ جن سے حارث پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی کا نام لبنیٰ بنت ہاجرہ خزاعیہ تھا جن سے ابو لہب پیدا ہوا۔ تیسری بیوی کا نام فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھا جن سے ابو طالب، زبیر، حضرت عبد اللہ، بیضاء، عاتکہ، برہ امیمہ، اور اروی پیدا ہوئے۔ چوتھی بیوی کا نام ہالہ بنت وہیب تھا جن سے مقوم، حجل، صیفہ، اور حمزہ پیدا ہوئے۔ پانچویں بیوی کا نام نبیلہ بنت خزر۔۔۔ تھا جن سے عباس، ضرار پیدا ہوئے۔ (دیکھئے کتاب سیرت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص ۲۷)

ایک مرتبہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی اے اللہ! اگر میں اپنے دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لوں تو ان میں سے ایک کو تیری راہ میں قربان کر دوں گا۔ جب یہ مراد پوری ہوگئی تو منت پوری کرنے کیلئے دسوں بیٹوں کو خانہ کعبہ میں لے آئے اور دسوں پر قرعہ ڈالا اور دعا کی کہ اے اللہ! میں نے ان میں سے ایک کی قربانی کی منت مانی تھی اب میں ان پر قرعہ اندازی کرتا ہوں تجھے جو نام پسند ہے اسی کا نام نکال دے۔ اتفاق سے قرعہ اندازی میں نام عبد اللہ کا نکلا جو عبد المطلب کو سب بیٹوں میں پیارے اور لاڈلے تھے۔ عبد المطلب چھری ہاتھ میں لے کر ان کو قربان گاہ کی طرف لے کر چل دیئے مگر قریش اور حضرت عبد اللہ کے بھائی رکاوٹ بن گئے۔ آخر طے یہ ہوا کہ حضرت عبد اللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا جائے۔ چنانچہ جب قرعہ کیا تو پھر بھی نام حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا۔ پھر بیس اونٹوں کا، پھر تیس اونٹوں کا حتیٰ کہ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹوں پر نوبت پہنچی تو قرعہ سو اونٹوں پر نکلا اور حضرت عبد اللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کو راہِ خدا میں قربان کیا۔

وہ نور جو عرصہ دراز تک حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں چمکتا اور دمکتار ہاحضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں منتقل ہوا چنانچہ حضرت عبد اللہ سے کئی کرامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ آپ فرماتے ہیں، میری پشت سے ایک نور نکلتا پھر دو حصوں میں بٹ جاتا ایک حصہ مشرق اور دوسرا حصہ مغرب میں۔ جب آپ زمین پر بیٹھتے تو زمین کہتی اے وہ ذات جس کی پشت میں نورِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جلوہ گر ہے تجھ پر میرا سلام ہو۔ جب آپ کسی بت خانے کے قریب سے گزرتے تو بت چیخنا شروع ہو جاتے اے عبد اللہ تو ہمارے قریب نہ آ، کیونکہ تیری پیشانی میں نورِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جلوہ گر ہے جو بتوں اور بت پرستوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ (ملاحظہ کیجئے معارج النبوۃ، رکن اول، ص ۲۰۳)

جب حضرت عبد اللہ کی شہرت عام ہوئی تو مکہ کے بہت سے یہودی آپ سے حسد کرنے لگے اور حضرت عبد اللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ وہ اس موقع کی تلاش میں رہنے لگے کہ کسی طرح حضرت عبد اللہ کو شہید کر دیا جائے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ شکار کیلئے شہر سے دور نکل گئے تو ستر ۷۰ یہودی اپنی زہر آلود تلواروں کے ساتھ آپ کے تعاقب میں لگ گئے اور موقع پا کر حملہ کر دیا۔ اتفاقاً اسی دن وہب بن عبد المناف بھی شکار کیلئے اسی جنگل میں آئے ہوئے تھے اور دور سے یہ سارا واقعہ دیکھ رہے تھے۔ ان کو خیال آیا کہ کسی طرح عبد اللہ کی مدد کرے مگر دشمنوں کی کثیر تعداد دیکھ کر ڈر گئے۔ ابھی اس خیال میں تھے کہ پیچھے اچانک آسمان سے ایک رنگا رنگ فوج گھوڑوں پر سوار آ پہنچی اور چشم زدن میں تمام یہودیوں کو واصل جہنم کر دیا۔

حضرت وہب دور کھڑے آپ کی یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ حضرت وہب' حضرت عبد اللہ سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت اپنی نیک سیرت بیٹی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دینے کا فیصلہ کر لیا۔ گھر پہنچ کر حضرت وہب نے اپنی بیوی کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ کی بیوی اس رشتے پر رضا مند ہو گئی پھر حضرت وہب بن عبد المناف نے اپنے دوستوں کے ذریعے حضرت عبد المطلب کو شادی کا پیغام بھیجا جو آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کیلئے قبول کر لیا۔ اس طرح حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی وہب بن عبد المناف کی نیک سیرت بیٹی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو گئی۔ (ملاحظہ کیجئے مدارج النبوۃ، حصہ دوم، ص ۱۷)

وہ نور جو حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں برسوں چمکا حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب منتقل ہو گیا۔ یہ نور ماہِ رجب میں شبِ جمعہ کو حضرت آمنہ خاتون کے شکم میں جلوہ افروز ہوا۔ (ملاحظہ ہو مدارج، ص ۱۷)

اس شب ابلیس لعین نے کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر ایک چیخ ماری تمام شیطانی چیلے اس کے پاس اکٹھے ہوگئے اور پوچھنے لگے اے سردار! آج تجھے کیا تکلیف پہنچی اور یہ گھبراہٹ کیسی ہے؟ کہنے لگا آج شب حبیبِ خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنی والدہ کے شکم اقدس میں جلوہ گر ہوگئے ہیں جو دنیا میں تشریف لاکر باطل کو مٹائیں گے اور بتوں کو توڑیں گے۔ (ملاحظہ کیجئے نزہۃ المجالس، ص ۸۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر کتنا پاکیزہ اور طیب و طاہر تھا اس کا اندازہ اس حدیثِ مبارکہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں ارشادِ نبوی ہوتا ہے: "میں پاک صلبوں سے ہوتا ہوا پاک رحموں میں آیا ہوں"۔ معتبر روایات اور سیرت کی کتابوں میں اس حقیقت کا ذخیرہ موجود ہے کہ نورِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پاک صلبوں اور پاکیزہ ارحام سے منتقل ہوتا ہوا حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا جو ہر دور میں پیشانیوں میں چمکتا رہا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام والد حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عبد اللہ تک اور تمام مائیں سب موحد، مومن تھے، ان میں کوئی بھی مشرک نہ تھا کیونکہ مشرک نجس سے ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے انوارِ محمدیہ، ص ۱۵۔ مدارج، ص ۶۔ سیرۃ النبوی، ص ۳۲۔ سیرۃ حلبی، ص ۳۲)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام باپ مسلمان تھے۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ طاہر پشتوں میں طاہر رحموں کی جانب منتقل کیا گیا۔

مسلمانوں یہاں میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ آج کے اس فرقہ واریت کے دَور میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اہلِ ایمان نہ تھے اور ان کا انتقال کفر پر ہوا (معاذ اللہ) آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب حضرت عبد المطلب نے دس بیٹوں پر قرعہ ڈالا تو اس موقع پر آپ نے کہا اے اللہ! ان دس بیٹوں میں تجھے جو پسند ہے اسے قربانی کیلئے قبول فرما چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ کا انتخاب فرمایا جس سے یہ واضح ہوا کہ حضرت عبد اللہ اللہ کے مقبول اور پسندیدہ بندے تھے۔ (ملاحظہ کیجئے مواہب الدنیہ، ص ۳۴)

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ (یعنی اللہ کا بندہ) کے نام مبارک سے یہ بات واضح ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل اور موحد تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (پ ۱۹۔ سورۃ الشعراء: ۲۱۹)

اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے آپ کے پلٹنے کو سجدہ کرنے والوں میں۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی روشنی میں ارشاد فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے آپ کے نور اور حقیقت کو مومنین کی پشتوں اور شکموں میں منتقل ہوتے۔ اس آیت کریمہ میں "ساجدین" یعنی سجدہ کرنے والے فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور جن پشتوں اور شکموں

میں منتقل ہوتا رہا وہ سب کے سب ساجدین یعنی سجدہ کرنے والے اور مومنین تھے مشرک ہرگز نہ تھے۔ مشرک کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (پ۱۰۔ سورۃ التوبہ: ۲۸)

کہ مشرک تو سراپا نجاست ہیں۔

مسلمانو! آپ خود فیصلہ کریں کہ قرآنی آیت کے مطابق مشرک نجس ناپاک اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میں طیب صلبوں سے طاہر رحموں کی طرف منتقل ہوا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کے والدین طیب اور مومنین ہوئے جب مومنین ہوئے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین میں کوئی مشرک و نجس ہو۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو خوب روئے اور اپنے ارد گرد والوں کو رُلا دیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے اپنے رب سے ان کیلئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی اور ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی اس کی مجھے اجازت دے دی گئی۔ (مسلم شریف)

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنی والدہ کی قبر کی زیارت فرمائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ اس وقت ایک ہزار صحابہ تھے۔ (ملاحظہ ہو مرقاۃ)

اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی والدہ کے غم میں اشکبار ہوئے کہ آج اگر وہ زندہ ہوتیں ہماری یہ شان دیکھ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتیں۔ والدہ کی یاد میں آپ کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے دعائے مغفرت کرنا چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت نہ دی۔

اس حدیث کی روشنی میں بعض لوگوں کا یہ عقیدہ بن گیا کہ نعوذ باللہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافرہ تھیں اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کیلئے دعائے مغفرت سے منع کردیا گیا۔ اس حدیثِ پاک کی روشنی میں جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے وہ انتہائی غلطی پر ہیں کیونکہ اگر آپ کافرہ ہوتیں تو حضور کو قبر پر جانے کی بھی اجازت نہ ملتی۔ کیونکہ کسی کافر کی قبر پر جانے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے، اے حبیب! آپ اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ (سورۂ توبہ: ۸۴)

معلوم ہوا منکروں اور کافروں کی قبر پر جانا تو دور کی بات ہے وہاں لمحے بھر کیلئے بھی کھڑے ہونے کی اجازت نہیں لیکن حضور کا اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مومنہ تھیں۔

اب رہا یہ سوال کہ استغفار کی اجازت کیوں نہ ملی اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت سے آگاہ ہے وہ خوب جانتا ہے کہ قربِ قیامت میں کچھ لوگ ضرور ایسے بدزبان پیدا ہوں گے جو میرے محبوب کے والدین کو گنہگار سمجھیں گے اور انہیں کافر تک کہہ دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو دعائے مغفرت سے اس لئے روکا کہ اے میرے محبوب دعائے مغفرت تو ان کیلئے کی جاتی ہے جو گنہگار ہوں آپ کی والدہ تو بے گناہ ہے انہوں نے تو اسلامی احکام کا زمانہ پایا ہی نہیں پھر گناہ ان پر کیوں ہو گا۔ پس استغفار کی اجازت نہ ملنا لوگوں کو فاسد عقیدے سے بچانا تھا کہ کہیں لوگ انہیں گنہگار نہ سمجھ بیٹھیں۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے والدین کی قبروں پر تشریف لے گئے اور انہیں زندہ کر کے کلمہ پڑھایا۔

اس حدیث پر بھی چند لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین مومن ہوتے تو ان کو کلمہ کیوں پڑھایا۔ کلمہ اسی لئے پڑھایا کہ وہ اہل ایمان نہ تھے نعوذ باللہ۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل و اکمل و امام الانبیاء ہیں اسی طرح آپ کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل و اعلیٰ ہے اس حقیقت کو جان لینے کے بعد مذکورہ بالا حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو کلمہ پڑھانے کا مقصد انہیں اپنی اُمت میں شامل کرنا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے والدین کو کلمہ پڑھانا اس بنا پر نہیں کہ وہ پہلے صاحب ایمان نہ تھے بلکہ حضور کا والدین کو کلمہ پڑھانا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے، صحابی کے مرتبے پر فائز ہونے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی فضیلت کی بنا پر تھا کیونکہ وہ مومن اور موحد تو پہلے ہی تھے لیکن ان کو یہ تمام فضیلتیں کلمہ پڑھنے سے حاصل ہو گئیں۔ پس واضح ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین مومن ساجدین اور اہل ایمان تھے ان حقائق کو جان لینے کے بعد اگر کوئی نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہے وہ بدترین گمراہ اور بے دین ہے۔

حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، جب نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ میں جلوہ افروز ہوا تو میرے جسم سے پیاری پیاری خوشبو آیا کرتی۔ جب پہلا مہینہ گزرا تو حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے کہنے لگے آمنہ تجھے خوشخبری ہو تو نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاملہ ہے۔ پھر دوسرے مہینے حضرت شیث علیہ السلام مبارکباد دینے آئے۔ تیسرے مہینے حضرت نوح علیہ السلام، چوتھے مہینے حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں مہینے حضرت ہود علیہ السلام، چھٹے مہینے حضرت ابراہیم علیہ السلام، ساتویں مہینے حضرت اسماعیل علیہ السلام، آٹھویں مہینے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نویں مہینے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبارکبادیاں اور بشارتیں دینے آئے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ المجالس، ج ۲، ص ۹۸)

جب نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آنے لگا تو شانِ قدرت دیکھئے رات ختم ہونے لگی اور دن نمودار ہونے لگا یعنی تاریکی کا خاتمہ ہو رہا تھا اور اُجالا ظاہر ہونے لگا۔ ایک مختصر جماعت آسمان سے نمودار ہوئی ان کے پاس تین جھنڈے تھے۔ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فرشتوں نے ایک جھنڈا میرے گھر کے صحن میں گاڑ دیا۔ دوسرا جھنڈا کعبہ شریف کی چھت پر اور تیسرا بیت المقدس پر لگا دیا۔ پھر مجھے ایک شربت کا پیالہ پیش کیا گیا، میں اسے دودھ سمجھ کر پی گئی۔ وہ شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ پھر چند معزز خواتین میرے پاس آگئیں میں نے پوچھا آپ کون ہیں ان میں سے ایک بولی میں حضرت مریم عیسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ ہوں۔ دوسری خاتون بولیں میں حضرت آسیہ ہوں۔ تیسری نے کہا میں حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بیوی ہوں اور باقی سب جنت کی حوریں ہیں۔ ہم سب آپ کی خدمت کیلئے آئی ہیں۔

پھر وہ مبارک رحمتوں بھری سہانی گھڑی بھی آگئی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنگن میں ایک مہکتا ہوا پھول کھلا۔ ان کی آغوش خوشبوؤں سے معطر ہوگئی۔ مشرق و مغرب زمین و آسمان ایک دم روشن ہوئے، نور کی چادر پھیل گئی، جس سے شام کے محلات اور بصرہ کے اونٹ بھی نظر آنے لگے۔ پورا عالم وجد میں آگیا، تاریکیاں چھٹنے لگیں، روشنیاں بکھرنے لگیں۔ جدھر دیکھو نور ہی نور، مہکی مہکی مست ہوائیں جشنِ بہاراں کے گیت گانے لگیں۔ عین صبح صادق کے وقت ۱۲/ ربیع الاول بروز پیر اللہ تعالیٰ کے حبیب، حضورِ اکرم، نورِ مجسم، رسولِ محترم، واقفِ اسرارِ لوح و قلم، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، اکرم الاولین و آخرین، آقائے نامدار، دوجہاں کے تاجدار، محبوبِ پروردگار، تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری کائنات کو آفتابِ رسالت سے منور کرنے، کفر و شرک کے پردے کو چاک کرنے، حق و صداقت کا بول بالا کرنے اس عالم دنیا میں تشریف لے آئے۔

اے عالم دنیا تجھے مبارک ہو، اے بنی نوع انسان تجھے مبارک ہو کہ اللہ کا وہ نور جو سب سے پہلے تخلیق کیا گیا۔ جن کے نور سے زمین و آسمان بنائے گئے۔ جن کے نور سے انسان حیوان جنات بنائے گئے۔ جن کے نور سے چاند، سورج، ستارے، فرشتے، انبیاء غرض یہ کہ کائنات میں جو کچھ ہے سب انہیں کے نور سے پیدا ہوئے۔ وہ نورِ مجسم انسان کا رشتہ اللہ سے جوڑنے کیلئے دنیا میں جلوہ گر ہوگئے۔ آپ کی جلوہ گری سے قبل ساری دنیا کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہی تھی انسانیت اس حد تک گر چکی تھی کہ انسان اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو پوجنے لگے۔ قریب تھا کہ ساری دنیا گمراہی کے سبب برباد کردی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بھلائی کا راستہ دکھانے اور ان کا تعلق اپنی ذات سے جوڑنے کیلئے اپنے محبوب کو بشری لباس میں دنیا میں پیدا فرمایا۔ آپ آئے تو اخوت و مساوات کا دور دورہ ہوا اور ایک اسلامی روحانی فلاحی اور پاکیزہ انسانی معاشرہ وجود میں آیا۔ یہی وہ نور ہے جس کی گواہی قرآن مجید نے اس طرح دی:۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (پ۶۔ سورۃ المائدۃ: ۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔

اس آیت کریمہ میں نور اور کتاب مبین دو الگ الگ چیزوں کا ذکر ہے نور سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور کتابِ مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ دونوں کے ایک معنی لینا ہرگز درست نہیں۔ حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

قد جاء کم من اللہ نور یعنی محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (تفسیر ابن عباس، ص ۷۲)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا یعنی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

امام الکبیر ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

قد جاء کم من اللہ نور یعنی بالنور محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (تفسیر ابن جریر)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔

امام حافظ الدین عبد اللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

والنور محمّد علیه السلام (تفسیر مدارک، ص ۴۱۷)

اور نورِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

ان المراد بالنور محمد و بالکتاب القران (تفسیر کبیر، ج۳، ص۳۹۵)

بلاشبہ نور سے مراد محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

قد جاء کم من اللہ نور ھو نور النبی صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (تفسیر جلالین)

تحقیق آیا تمہارے پاس وہ نور اللہ کی طرف سے وہ نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

قد جاء کم من اللہ نور عظیم وھو نور الانوار والنبی المختار ﷺ (روح المعانی، ج۶، ص۸۷)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نورِ عظیم اور وہ نور انوار نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

قیل المراد بالاول ھو الرسول صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبالثانی القرآن (روح البیان، ج۱، ص۵۴۸)

کہا گیا ہے کہ اوّل یعنی نور سے مراد رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ثانی یعنی قرآن مجید ہے۔

معلوم ہوا نور سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے آپ کی اصل نور ہے اور آپ اس دنیا میں لباسِ بشری میں جلوہ افروز ہوئے۔ اور ایسے بے مثال بشر کہ کوئی دوسرا آپ کا ہم مثل نہیں۔ جن عورتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کیا، قرآن مجید نے ان مقدس عورتوں کو دنیا بھر کی عورتوں سے بے مثال قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (پ۲۲۔ سورۃ الاحزاب: ۳۲)

اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں۔

غور فرمایئے کہ ازواجِ مطہرات کا یہ عالم ہے کہ ان کی مثل دنیا کی کوئی دوسری عورت نہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا کیا عالم ہوگا۔ کیا کوئی بشر آپ کا ہم مثل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

انی لست مثلکم

میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

(ملاحظہ کیجئے صحیح بخاری شریف، ج۱، ص۲۴۶، مصری، جامع شریف، ج۱، ص۹۷)

ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا:۔

لست کاحد منکم (بخاری شریف ۲۴۶)

میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی سی نہیں۔ حقیقت آپ کی نور ہے۔لباس بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ دیکھئے جبرائیل امین نور ہیں اور تمام نوری فرشتوں کے سردار ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ آپ حضرت سیّدہ مریم علیہاالسلام کے پاس تشریف لائے تو لباسِ بشری میں آئے اور قرآن مجید نے جبرائیل امین کو بشر کہا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (پ۱۶۔سورۂ مریم: ۱۷)

وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ہمارے پاس ایک "رجل" آدمی آیا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا یہ شخص کون تھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فانه جبریل" وہ جبریل ہے۔

فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے پر اور بازو بنائے۔ کسی کے دو پر، کسی کے تین، اور کسی کے چار پر ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس جبرائیل امین کو دیکھا کہ ان کے چھ بازو تھے۔

(ملاحظہ کیجئے صاوی، ج۳، ص ۲۵۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب تک آپ کے دستر خوان پر مہمان نہیں آجاتے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ایک دن دس بارہ مہمانوں کا ایک قافلہ آپ کے گھر آیا۔ آپ ان مہمانوں کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ یہ مہمان حضرت جبرائیل علیہ السلام اور دیگر فرشتے تھے جو سلام کرکے گھر میں داخل ہوگئے۔ یہ سب فرشتے نہایت ہی خوبصورت انسانوں کی شکل میں تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی مہمان نوازی کیلئے ایک بھنا ہوا بچھڑا لائے تو ان حضرات نے کھانے سے انکار کردیا۔ آپ سمجھے کہ یہ کوئی دشمن ہیں۔ چنانچہ آپ ان مہمانوں سے کچھ خوف زدہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرائیل امین نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ ہم سے ذرا بھی خوف نہ کریں، ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہم دو کاموں کیلئے یہاں آئے ہیں۔

پہلا کام تو یہ ہے کہ ہم آپ کو یہ خوشخبری سنانے آئے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ایک علم والا فرزند عطا فرمائے گا اور ہمارا دوسرا کام یہ ہے کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لے کر آئے ہیں۔ اس واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ الذاریات کے دوسرے رکوع میں فرمایا ہے۔

قرآن مجید کے اس سچے واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ ملائکہ انسانی شکل وصورت میں بھی آیا کرتے ہیں۔

غور فرمایئے حضرت جبرائیل امین انسانی شکل میں تشریف لائے سیاہ بال، سفید کپڑے، مرد کی شکل، دو آنکھیں، دو ہاتھ، دو پاؤں اور دو کان کے ساتھ آئے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے دیکھا، صحابہ کرام علیہم الرضوان نے دیکھا، مگر کسی صحابی نے نہیں کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بشر ہیں۔ کسی صحابی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نورانیت کا انکار نہیں کیا۔ ذرا سوچئے جب جبرائیل امین جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم، امتی اور غلام ہیں وہ نور ہوکر لباسِ بشری میں آسکتے ہیں اور ان کی نورانیت میں بھی فرق نہ آئے تو اس جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ عظمت والے اور ساری کائنات کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت میں کیا فرق آئے گا؟ ہرگز نہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔ (دیکھئے زرقانی شریف، ج ۱، ص ۴۹۔ مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۱۰۔ تفسیر روح البیان، ج ۲)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری دنیا کے انسانوں کے رہبر رہنما بن کر انسانی شکل میں جلوہ گر ہوئے۔ آپ کی عالمِ دنیا میں تشریف آوری ۱۲/ ربیع الاوّل کو ہوئی۔

مسلمانو! میں آپ کو یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ۱۲/ ربیع الاوّل نہیں، بلکہ ۹/ ربیع الاوّل کو ہوئی۔ ہمیں اس کا جواب علماء اُمت سے لینا ہے کہ اس بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔

علماءِ اُمت کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن ۱۲/ ربیع الاوّل ہی کو پیدا ہوئے۔ اس بارے میں چند اقوال پیشِ خدمت ہیں:۔

حضرت امام جریر طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ربیع الاوّل شریف کی ۱۲ تاریخ کو عام الفیل میں ہوئی۔

حضرت علامہ ابن خلدون فلسفہ اور تاریخ کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت عام الفیل میں ماہِ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ کو ہوئی۔

عالمِ اسلام کے سب سے پہلے سیرت نگار امام محمد بن اسحاق اپنی مشہور و معروف کتاب السیرۃ النبویہ میں تحریر فرماتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر ۱۲/ ربیع الاوّل کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی جو سیاست اسلامیہ کے ماہرین میں سے ہیں' اپنی مشہور کتاب "اعلام النبوۃ" میں تحریر فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز پیر ۱۲/ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے۔

امام الحافظ ابو الفتح محمد بن اسحاق بن سید الناس الشافعی اندلسی اپنی سیرت کی کتاب "عیون الاثر" میں تحریر فرماتے ہیں، ہمارے آقا اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن بارہ ربیع الاوّل کو عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی کتاب میں حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام الفیل بروز دوشنبہ بارہ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے۔

برصغیر پاک و ہند کے شیخ الحدیث شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں، خوب جان لو کہ جمہور اہل سیر و تاریخ کی رائے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا اور بارہ تاریخ تھی۔

مصر کے شہرہ آفاق عالم دین شیخ محمد ابو زہرہ فرماتے ہیں، تمام بڑے بڑے محدثین و مورخین کی یہی رائے ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دنیا میں عام الفیل میں بارہ ربیع الاوّل کو جلوہ افروز ہوئے۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ خاتم الانبیاء)

مذکورہ بالا حقائق سے ثابت ہوا کہ بڑے بڑے جید مفسرین دین آئمہ دین اور علماء دین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ۱۲/ ربیع الاوّل پیر کے دن ہوئی۔

وہ عظیم نعمت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی وہ نعمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت بلکہ دین وایمان کی جان ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے صدقہ و طفیل ہمیں دیگر نعمتیں ملیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر شرفِ کلام بخشا تو انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی، الٰہی تو نے مجھے ایسی نعمت سے سرفراز کیا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کو ایسا مقام عطا نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم نے تیرے دل کو متواضع پایا تو اس مقام سے نواز دیا۔ لہٰذا اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کو جو مقام دیا گیا اس پر شکر کرو اور زندگی کے آخری لمحات تک توحید اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت سے وابستہ رہو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کرنے لگے، یا اللہ کیا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت تیری توحید کے ساتھ ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:۔

لولا محمد وامته لما خلقت الجنة ولا النار والا الشمس ولا الیل ولا النهار ـــــــ

اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اس کی اُمت نہ ہوتی تو میں جنت دوزخ، سورج چاند، رات دن،

فرشتے، انبیاء کسی کو پیدا نہ کرتا اور اے موسیٰ (علیہ السلام) تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہیں۔ اگر ہم اپنے مختصر سے وجود پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہمارے وجود سے وابستہ ہیں۔ مثلاً آنکھ، ناک، کان، پاؤں، ہاتھ وغیرہ یہ وہ نعمتیں ہیں کہ ساری کائنات بھی ان کا نعم البدل فراہم نہیں کرسکتی۔ لیکن ہمیں یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مفت عطا کیں۔ شانِ قدرت تو دیکھئے کہ اس قدر عظیم نعمتیں عطا کرکے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں یہ ارشاد نہیں فرمایا اے لوگو! میں نے تمہیں ہاتھ، پاؤں، ناک، کان عطا کئے، رہنے کیلئے مکان، کھانے کیلئے غذائیں، پہننے کو کپڑا، پینے کو پانی فراہم کیا لہٰذا میرا اتم پر احسان ہے۔ پورا قرآن پڑھ لیجئے کہیں بھی لفظ "احسان" ارشاد نہیں فرمایا۔ مگر جب اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس عالمِ دنیا میں مبعوث فرمایا تو ارشاد فرمایا:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا (پ۴۔ سورۃ آل عمران: ۱۶۴)

اللہ نے مومنین پر بڑا احسان کیا کہ ان میں بڑی عظمت والا رسول بھیجا۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر احسان فرمایا اور احسان اس لئے جتایا جاتا ہے تاکہ اسے فراموش نہ کیا جائے بلکہ یاد رکھا جائے اور احسان فراموشی نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ اہلِ دنیا پر بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسانوں کی رہنمائی اور رہبری کیلئے دنیا میں بھیجا۔ بخاری شریف جز ثالث صفحہ نمبر ۶ پر درج ہے:۔

محمّد نعمة الله

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (پ ۱۷۔ سورۃ الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کیلئے۔

اوپر دیئے گئے قرآن وحدیث کے فرمودات کی روشنی میں یہ ثابت ہوا ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہیں جو تمام جہانوں کیلئے رحمتوں اور برکتوں کا مرکز ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا (پ ۱۱۔ سورۂ یونس: ۵۸)

اے محبوب آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے پر چاہئے کہ لوگ خوشی کریں۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (پ ۳۰۔ سورۃ الضحیٰ: ۱۱)

اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

مذکورہ بالا دونوں قرآنی آیات پر غور کیجئے۔ کس شان سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا چرچا کرنے اور خوشی منانے کا حکم دیا ہے۔ دونوں آیات مقدس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے حصول پر خوشیاں منانا اور اس کا چرچا کرنا حکمِ الٰہی ہے بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمتِ خاص ہیں اور ایسی عظیم نعمت کہ جسے عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے اہلِ دنیا پر احسانِ عظیم فرمایا۔ آپ کی ذاتِ مقدسہ مومنوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت عظیم ہے۔ تمام عالمِ اسلام کا ۱۲/ ربیع الاوّل کو اس عظیم نعمت کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کرنا، چراغاں کرنا، جشنِ ولادت کا انعقاد کر کے ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چرچا کرنا دراصل قرآنی آیات پر ہی عمل کرنا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (پ ۱۳۔ سورۂ ابراہیم: ۵)

اور یاد دلاؤ ان کو اللہ کے دن۔

قرآن مجید کے اس فرمان میں دِنوں کو یاد دِلانے کا ذکر آیا ہے۔ یوں تو سارے دن اور رات اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ کون سے دن ہیں جن کو یاد دِلانے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ علماء دین اور مفسرین دین فرماتے ہیں کہ ان سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خاص انعام واکرام فرمائے۔

تمام اہلِ ایمان اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ تاجدارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نعمت ہیں۔ جبکہ باقی نعمتیں انہی کے صدقہ میں ہیں۔ اگر حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ چنانچہ جس دن یہ نعمتِ عظمیٰ عطا ہوئی اس دن کو یاد دِلانا اور لوگوں کو بتانا کہ یہ ہے وہ دن جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیج کر مومنوں پر بڑا احسان فرمایادراصل حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔

جب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو عاشورہ کا دن تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم لوگوں نے عاشورہ کا روزہ کیوں رکھا ہے؟ بولے کہ آج کا دن نہایت مقدس اور مبارک ہے کیونکہ آج کے دن بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی لہٰذا ہم تعظیماً آج کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہم موسیٰ (علیہ السلام) کی فتح کا دن منانے میں تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ پس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو بھی روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

(ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف)

محترم مسلمانو! غور فرمایئے جس دن قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی وہ دن قوم بنی اسرائیل کے نزدیک اتنا معتبر اور مبارک ہوا کہ اس کی یاد روزہ رکھ کر منائی گئی اور حضور تاجدارِ انبیاء حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس دن کو منانے کا حکم ارشاد فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں کہ اس دن کی تعظیم کریں۔ مقامِ غور و فکر ہے کہ جب محسنِ انسانیت کائنات کے نجات دہندہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری سے کائنات کو ظلم وستم، جہالت وگمراہی، قتل وغارت گری، کفرو شرک سے نجات ملی تو پھر عالمِ اسلام اس مبارک اور رحمت بھرے دن کی یاد کیوں نہ منائیں۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ ابو لہب اسلام کا سخت دشمن تھا۔ مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حقیقی چچا بھی تھا۔ جس دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عالمِ دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو ابو لہب کی ایک لونڈی ثُوَیْبَہ نے آکر ابو لہب کو یہ خوشخبری سنائی کہ اے میرے آقا! آپ کے مرحوم بھائی عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھر نہایت خوبصورت بچہ پیدا ہوا ہے۔ ابو لہب یہ خوشخبری سن کر اس قدر خوش ہوا کہ اپنی لونڈی کو اُنگلی کے اشارے سے آزاد کر دیا۔ ابو لہب جیسا سخت ترین کافر جس کی مذمت قرآن مجید میں سورۂ تبت یدا میں کی گئی جب ابو لہب کا انتقال ہوا تو گھر والوں نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا، اے ابو لہب! کیسی گزر رہی ہے؟ ابو لہب بولا تم سے الگ ہو کر مجھے بھلائی نصیب نہیں ہوئی۔ ہاں مجھے کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے جس سے میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ میں نے اس انگلی کے اشارے سے لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف)

اس واقعہ کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب میں تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابو لہب کو ولادت کی خبر دی تو اس نے اسے آزاد کر دیا۔

غور فرمایئے ابو لہب کافر تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بدترین دشمن مگر بھتیجے کی ولادت کی خوشی میں کنیز کو آزاد کرنے پر اس کی ہر پیر کو عذابِ قبر میں کمی کر دی گئی۔ ذرا سوچئے اس مسلمان کے اجر و انعام کا کیا عالم ہوگا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی ایک اُمتی کی حیثیت سے کرتا ہے۔

قرآن مجید کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن مجید میں ایسی کئی آیاتِ مبارکہ موجود ہیں جن میں انعاماتِ الٰہی پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار جھنجھوڑا اور بتایا اے میرے بندو! اگر میری عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو میں ان میں مزید اضافہ کر دوں گا۔

ہمارے جسم کے اعضاء ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، دل، صحت، شباب، پانی، ہوا، روشنی یہ سب نعمتیں ہیں ان نعمتوں پر شکر کرنا واجب ہے۔ ذرا سوچئے جب ان فنا ہونے والی نعمتوں پر شکر بجالانا لازمی ہے تو فیصلہ کیجئے اس رحمتِ عالم محسنِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر شکر بجالانا ضروری کیوں نہ ہوگا کہ جس ذات والا صفات نے بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ اپنے خالقِ حقیقی کے ساتھ استوار کر دیا۔ جس نے انسانیت کے سوئے ہوئے مقدر کو بیدار کیا۔ جس نے اولادِ آدم کے بگڑے ہوئے مقدر کو سنوار کر رکھ دیا۔ جس نے کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی تاریک دنیا کو نورِ توحید سے جگمگایا۔ انسان کا دل جو دنیا بھر کی خواہشات کا کباڑ خانہ بنا ہوا تھا جس پیکرِ نور نے اس کباڑ خانہ دل کو تمام غلاظتوں سے پاک کیا۔ انسانی زندگی کا کارواں جو اپنی منزل کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہا تھا جس محسن نے اسے منزل کا پتا بتایا۔ جو کسی خاندان، قبیلے، قوم، ملک یا کسی ایک زمانے کیلئے رحمت بن کر نہیں آئے

بلکہ ہر دور میں ہر مخلوق کے رہبر و رہنما بن کر جلوہ فرما ہوئے۔ جو بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کیلئے تشریف لائے جن کے آنے سے دین ملا، قرآن ملا، ایمان ملا، بلکہ خود رحمٰن ملا، جن کے ذریعے سے حریم قربِ الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے۔

اے مسلمانو! ذرا سوچئے کیا اس نعمتِ عظمٰی اور اس محسن کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تشریف آوری پر شکر ادا کرنا لازمی نہیں؟

یقین جانئے غلامانِ رسول ہر زمانے میں اپنے رب کی اس نعمتِ کبریٰ کا شکر ادا کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ زمانے کے تقاضوں کے مطابق شکر کے انداز اگرچہ مختلف تھے لیکن جذبہ تشکر سب کا ایک ہی رہا۔

یہ حقیقت بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جب کسی کو انعام واکرام سے نوازا جاتا ہے تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ اس کی نگاہ میں اس انعام کی جتنی قدر و قیمت ہوگی اسی قدر اس میں خوشی اور مسرت کی کیفیت بھی ہوگی۔ لیکن جس چیز کے ملنے پر کسی شخص کے جذبات میں خوشی اور تلاطم پیدا نہ ہو تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ اس چیز کی اس شخص کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اگر یہ چیز اس کو نہ ملتی تب بھی اسے کوئی افسوس نہ ہوتا۔ مل گئی تو ٹھیک ورنہ کوئی پرواہ نہیں۔

لیکن جو شمع جمال رسالت کے پروانے ہوتے ہیں وہ ایسے ناقدر نہیں ہوتے۔ ولادتِ نبوت کا آفتاب جیسے ہی طلوع ہوا گویا ان کی زندگی میں بہار آگئی۔ ان کی زندگی کے آنگن میں مسرتوں کی چاندنی چمکنے لگی۔ دِلوں کے غنچے ایسے کھلے گویا شگفتہ پھول بن گئے۔ اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ شکر میں گر گئے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حسن وجمال پر اپنے دل وجان نثار کرنے لگے۔

مسلمانو! آپ کو یہ جان کر تعجب ہو گا کہ آج مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے اور نبی محترم کا کلمہ پڑھنے والے بعض حضرات فرزندانِ اسلام کی خوشی و مسرت اور تشکر کے اس اظہار کو دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان شکر گزار بندوں پر طعنہ زنی کے تیروں کی موسلا دھار بارش شروع کر دیتے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں ان حضرات سے جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یوم میلاد پر اعتراض کرتے ہیں کیا آپ نے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (پ ۱۱۔ سورہ یونس: ۵۸)

اے محبوب آپ فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے پر چاہئے کہ لوگ خوشی کریں۔

یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ پر ذرا غور فرمائیں تو یہ حقیقت دِن کے اُجالے کی طرح روشن ہو جائے گی کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں یہ واضح کر دیا کہ اے لوگو! جب تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت حاصل ہو تو منہ بسور کر ہر گز نہ بیٹھا کرو، اپنی ہانڈیوں کو اوندھی نہ کیا کرو، ماتھے پر شکنیں ہر گز نہ لایا کرو، دل میں بغض و کینہ کے آتش کدے ہر گز نہ بھڑکایا کرو، جو چراغ گھر میں جل رہے ہیں انہیں ہر گز مت بجھایا کرو کیونکہ ایسا کرنا شکرِ خداوندی اور اظہارِ تشکر نہیں ہے ایسا کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ ایسا ہر گز نہ کرو بلکہ خوشی اور مسرت کا اظہار کرو۔

یہی وجہ ہے کہ اُمتِ اسلامیہ صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ پر اپنے جذبات اور نعمتِ خداوندی پر اپنی شکر گزاری کا اظہار کرتی رہی۔ ہر سال ہر اسلامی ملک میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ محفلِ میلاد منعقد کی جاتی ہیں جن میں ذکر و فکر کی محفلیں ہوتی ہیں، جن میں شانِ کبریائی کے چرچے اور شانِ مصطفائی کے تذکرے کئے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا بنیادی مقصد کیا تھا۔ علماء کرام تقاریر کرتے ہیں۔ شعراء اپنے منظوم کلام سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اہلِ ثروت کھانا پکا کر غرباء و مساکین اور عزیز و اقرباء میں تقسیم کرتے ہیں۔ صدقات و خیرات کے ذریعے ضرورت مند مسلمانوں کی جھولیاں بھر دی جاتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ عید میلاد النبی کا ماہِ مقدس کیا آیا گویا گلشنِ اسلام میں از سرِ نو بہار آگئی۔

مگر آج بد نصیبی سے بعض مکتبہ فکر کے لوگ میلاد النبی منانے کے منکر ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد نہ حضور نے منایا اور نہ ہی کسی صحابی نے لہٰذا یہ عمل بدعت ہے۔ اور بدعت بھی وہ جو زِنا سے زیادہ بری اور قتل سے بڑھ کر مذموم سمجھی جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:۔

كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم۔

مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں جس بدعت سے اجتناب اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے آخر اس کا مفہوم کیا ہے اگر اس بات کا مفہوم یہ مان لیا جائے کہ "وہ طریقہ جو عہدِ رسالت اور عہدِ خلفائے راشدین میں نہ تھا اور اس کے بعد ایجاد ہوا وہ بدعت ہے اور اس پر عمل کرنے والا گمراہ اور دوزخ کا ایندھن ہے"۔ تو پھر محفلِ میلاد ہی پر اعتراض کیوں؟ اس بدعت سے تو اُمتِ مسلمہ کا کوئی فرد نہیں بچ سکتا ہر مسلمان اس کی زد میں آجائے گا۔

ذرا غور فرمایئے یہ علوم جن کی تدریس کیلئے بڑے بڑے مدارس اور جامعات اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں جن پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا جارہا ہے ان علوم میں بیشتر علوم وہ ہیں جن کا عہدِ رسالت اور دورِ خلفائے راشدین میں نام ونشان تک نہ تھا۔ مثلاً علم صرف ونحو، علم معانی، علم اصول فقہ، علم اصول حدیث یہ تمام علوم عہدِ رسالت وخلفائے راشدین میں نہ تھے۔ بلکہ بعد کی پیداوار ہیں۔ ذرا بتایئے جن علماء فضلاء نے ان علوم کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے اپنی گراں قدر زندگیاں اپنی قیمتی صلاحیتیں اور اوقات ان کو نقطہ عروج تک پہنچانے کیلئے صَرف کئے کیا وہ سب بدعتی تھے؟ اور اس بدعت کے سبب کیا وہ سب کے سب گمراہ اور جہنم کا ایندھن بنے۔ اگر معاذ اللہ ان سب کو جہنمی مان لیا جائے تو پھر گزشتہ چودہ صدیوں میں اسلام کے دامن میں باقی کون رہ جاتا ہے جو جنت کا مستحق قرار دیا جائے۔ کیونکہ علوم قرآن وسنت اور فقہ کی تدوین حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں یا دورِ صحابہ میں ہرگز نہ تھی بلکہ بعد میں آنے والے علماء فضلاء کی شبانہ روز کاوشوں کا ثمر ہے۔ پھر ایسے علوم جن کی تعلیم وتدریس کیلئے کروڑوں روپیہ خرچ کیا جائے کیا یہ سب تعلیماتِ دین کی خلاف ورزی اور غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کا باعث نہیں؟ یقیناً ہے۔

ذرا بتایئے کہ یہ عظیم الشان مسجدیں ان کے فلک بوس مینار ان کے عالی شان محراب عہدِ رسالت یا دورِ صحابہ میں کہاں تھے۔ بدعت کے مفہوم کی روشنی میں کیا آپ ان سب کو گرا دینے کا حکم دیں گے۔ اگر بدعت کا مفہوم یہی ہے کہ جو طریقہ عہدِ رسالت یا عہدِ صحابہ میں نہ تھا بعد میں ایجاد ہوا وہ بدعت ہے تو پھر پاکستان کی مسلح افواج سے تمام توپیں، ٹینک، بمبار طیارے اور تمام جدید اسلحہ چھین کر سمندر میں پھینک دیا جائے کیونکہ یہ بھی بدعت ہے اور ان کی جگہ مسلح افواج کو تیر اور کمان تھما کر میدانِ جنگ میں جھونک دیا جائے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ ہر نئی چیز کو بدعت کہنے والوں کو چاہئے کہ ذرا افواجِ پاکستان پر بدعت کا فتویٰ لگائیں اگر واقعی حق کے داعی ہیں۔

مسلمان کے بچے بچے کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے ایمان کی یہ دونوں قسمیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں نہیں تھیں بعد میں ایجاد ہوئیں یہ دونوں نام بدعت ہیں کیا انہیں منسوخ کیا جاسکتا ہے؟

ہر مسلمان چھ کلمے یاد کرتے ہیں ان چھ کلموں کی تعداد ان کی ترتیب کہ یہ پہلا ہے یہ دوسرا اور ان کے نام یہ ہیں سب بدعت ہیں جن کا دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں وجود تک نہ تھا کیا اسے ختم کیا جاسکتا ہے؟

قرآن مجید کے تیس پارے بنانا ان پر زیر زبر پیش لگانا اس کی جلدیں تیار کرنا قرآن مجید کو بلاک بنا کر چھاپنا سب بدعت ہے جس کا دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں وجود تک نہ تھا کیا ایسے قرآن کا بائیکاٹ کرو گے (نعوذ باللہ)۔

پیارے مسلمانو! آج ہم دورِ حاضرہ پر نظر ڈالیں تو ہمیں بہت سی چیزیں ایسی نظر آئیں گی جن کا عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ میں نام و نشان تک نہ تھا لیکن اب وہ چیزیں ہماری زندگی کیلئے لازمی ہو گئی ہیں۔ ہر مسلمان ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ مثلاً ریل گاڑی، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، موٹر سائیکل، ٹیکسی، رکشہ، تانگہ، گھوڑا گاڑی، لفافہ، ٹیلیفون، تار، ریڈیو، لاؤڈ اسپیکر، دوسری تیسری چوتھی منزلوں کے مکانات وغیرہ ان سب کا استعمال بدعت ہے۔ ذرا سوچئے کیا ان سے چھٹکارا ممکن ہے؟ جو لوگ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ ان تمام چیزوں کا استعمال بدعت سمجھ کر بند کر دیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ میں نہیں تھی بعد میں ایجاد ہوئی بدعت ہے۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا اس زمانے میں دیوبند مکتبہ فکر کی علمبردار تبلیغی جماعت، جمعیت علمائے اسلام اور انجمن سپاہ صحابہ موجود تھیں؟ کیا جماعتِ اسلامی، پاسبان، شبابِ ملی، اسلامی فرنٹ نامی تنظیمیں عہدِ رسالت میں موجود تھیں؟ کیا لشکر طیبہ، حزب المجاہدین، حرکتہ المجاہدین، حرکتہ الانصار، اہلِ حدیث یوتھ فورس جیسے مسلح دستے عہدِ رسالت یا دورِ صحابہ میں موجود تھے؟ کیا یہ سب بدعت نہیں؟ جب یہ سب کچھ بدعت نہیں تو کیا میلاد شریف ہی ایک ایسا عمل رہ گیا جو بدعت ہے؟

وہ حضرات جو ہر جائز کام کو بدعت کہتے ہیں ان کی خدمت میں مخلصانہ عرض ہے کہ علماء دین نے بدعت کی جو تشریحات بیان کی ہیں ان کو پیشِ نظر رکھیں۔ علماء دین نے ہمیں ہر طرح کے شکوک و شبہات اندیشہ و اضطراب سے بچانے کیلئے بدعت کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دین میں ایسا کام رائج کرنا جو شریعت کے خلاف ہو یعنی جس سے اسلام کے کسی اصول یا قرآن و سنت کے کسی حکم کی کھلی خلاف ورزی ہوتی ہے وہ بدعت ناجائز و حرام ہے اور جو بدعت قرآن و حدیث سے متصادم نہ ہو اور اس سے اسلام کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ پہنچے تو ایسی بدعت جائز ہے۔

علماء دین نے بدعت کی جو پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ بدعتِ واجبہ:۔

ایسا عمل جو ظاہراً جدید ہو اور اس پر عمل کے بغیر دین سمجھنے میں حرج واقع ہو۔ جیسے علوم صرف و نحو، قرآن مجید پر اعراب (زیر، زبر، پیش) لگانا، اصول تفسیر، اصول فقہ، مدارس وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ یہ علوم عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں نہ تھے لیکن قرآن و حدیث اور دین کو سمجھنے کیلئے اب واجب ہیں۔ اسی طرح بہت سے گمراہ فرقے عہدِ رسالت میں نہیں تھے لیکن آج بے شمار فرقے نئے نئے عقائد و نظریات لیکر منظرِ عام پر آرہے ہیں۔ ان کی تردید کرنا اور ان کے خلاف آوازِ حق بلند کرنا علماء حق کیلئے بدعتِ واجبہ بلکہ فرض ہے۔

۲۔ بدعتِ مستحبہ:۔

ایسا نیا عمل جو نہ تو شرعاً واجب ہو اور نہ ہی اس کی شریعت میں ممانعت ہو بلکہ اس عمل سے لوگوں کی بھلائی اور بہتری مقصود ہو اور عام مسلمان اسے ثواب سمجھ کر کریں۔ مثلاً دینی کتب کی زیادہ سے زیادہ طباعت اور اشاعت کیلئے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرنا، لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینا تاکہ اذان کی آواز دور دور تک پہنچ سکے۔ مدارس اور دار العلوم کا قیام تاکہ علمِ دین حاصل ہو، میلاد شریف کے اجتماعات کرنا، کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا، بڑے بڑے تبلیغی اجتماعات کرنا، محافل و ذکر اولیاء یا بزرگانِ دین کے عرس وغیرہ کرنا یہ سارے عمل مستحبات میں ہیں۔ جو عہدِ رسالت میں نہیں تھے مگر آج ہیں۔ یہ بدعت مستحب ہے۔

یہ بدعت حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے۔

۳۔ بدعت مباح:۔

ایسا نیا عمل جس کو کرنے سے نہ ثواب ملتا ہے اور نہ ہی گناہ ملتا ہے مثلاً آٹا چھان کر استعمال کرنا یہ بدعت مباح ہے کیونکہ عہدِ رسالت میں آٹا بغیر چھنا استعمال ہوتا تھا اور خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَن چھنے آٹے کی روٹی تناول فرماتے۔ لیکن اگر کوئی آٹا چھان کر روٹی پکاتا ہے تو یہ نیا عمل مباح ہے۔ گمراہی نہیں کہ اس عمل کے کرنے والے کو جہنمی قرار دیا جائے اسی طرح کئی اور معاملات ہیں مثلاً مشروبات کا استعمال عالیشان عمارتیں تعمیر کرنا، رکشہ، ٹیکسی، ہوائی جہاز، ریل گاڑی پر سفر کرنا، رنگ برنگی کپڑے پہننا وغیرہ یہ سب عمل بدعت کہلائیں گے مگر مباح جس سے نہ ثواب ملے گا نہ گناہ۔

۴۔ بدعت مکروہ:۔

وہ عمل جس میں اسراف ہو، یعنی کسی بھی جائز کام میں ضرورت سے زیادہ اہتمام کیا جائے یا کوئی ایسا عمل جو دین میں ناپسندیدہ ہو۔ مکروہ بدعت کہلاتی ہے۔

۵۔ حرام بدعت:۔

وہ نیا کام جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اس پر عمل کرنے سے فرائض و واجبات پر عمل کرنا ممکن نہ ہو جو قرآنی احکام اور سنتِ نبوی کے خلاف ہو، یہی وہ بدعت ہے جس پر عمل کرنے والا' جہنمی کہلاتا ہے، جو احکام شریعت کو توڑتا ہے۔ جو دین کو نقصان پہنچا کر نئے قانون اپناتا ہے یہ بدعت حرام ہے۔ مثلاً

- جمعہ کا خطبہ عربی کی بجائے اُردو، انگریزی یا کسی اور زبان میں دینا۔
- نمازِ جمعہ پہلے اور خطبہ بعد میں پڑھنا۔
- عیدین کی نماز میں خطبہ پہلے اور نمازِ عید بعد میں ادا کرنا۔
- حالتِ نماز میں پہلے سورت اور بعد میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔
- پہلے نمازِ باجماعت ادا کرنا پھر اذان دینا۔
- حالتِ نماز میں پہلے اُلٹی جانب سلام پھیرنا پھر سیدھی جانب سلام پھیرنا وغیرہ وغیرہ۔

معلوم ہوا وہ طریقہ کار جو اسلام کے متعین کردہ طریقہ کار کے خلاف ہو جس سے اسلام کے دستور، اصول، نظریہ میں بگاڑ پیدا ہو دین میں اس قسم کی نئی چیزیں پیدا کرنا بدترین بدعت ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں تو وہ رد اور ناقابلِ عمل ہے۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے، جس نے کوئی نئی چیز پیدا کی یا نئی چیز پیدا کرنے والے کو پناہ دی تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر بدعت خلافِ شرع نہیں بلکہ کچھ بدعات تو ایسی ہیں جن کو اپنانا اس زمانے کی ضرورت ہے جسے بدعت واجبہ کہا گیا ہے۔ کچھ بدعات مستحب ہیں، جن کو کرنے سے ثواب ملتا ہے اور نہ کیا جائے تو گناہ بھی نہیں۔ کچھ بدعات مباح ہیں، جس کو کرنے سے بندہ گنہگار نہیں ہوتا اور کچھ بدعات مکروہ اور کچھ بدعات ایسی ہیں جو قطعاً حرام ہیں جس کو کرنا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں۔ حرام بدعت پر عمل کرنے والا اسلام کا باغی، قانونِ شریعت کو توڑنے والا ہے ایسے بدعتی کی کوئی عبادت بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہو سکتی۔ جو قطعی جہنمی اور غضبِ الٰہی کا حقدار ہے۔

محفلِ میلاد کا عمل چونکہ مستحب عمل ہے۔ جسے کرنا باعثِ خیر و برکت ہے۔ جس میں نہ کسی سنت مبارکہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی فعل حرام کا ارتکاب، بلکہ محفلِ میلاد تو وہ بابرکت عمل ہے جو نعمتِ خداوندی پر اس کا شکر ہے۔ جس میں ذکرِ الٰہی اور عظمتِ مصطفائی کے تذکرے ہوتے ہیں۔

تاریخ اسلام کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل سورج کی طرح روشن ہو جائے گی کہ دورِ صحابہ سے لے کر آج تک مسلمانوں کی اکثریت میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انعقاد اور اس کے فضائل و برکات پر دل کی گہرائیوں سے متفق نظر آتی ہے۔ اکثر صحابہ کرام علیہم الرضوان محافل منعقد کرتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے واقعات و معجزات کا ذکر کرتے۔ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ آپ ہر پیر کے دن اپنی ولادت کا دن منایا کرتے اور اس دن روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔

(دیکھئے ابن اثیر اسد الغابہ، ج ا، ص ۲۱ ۔ ۲۲)

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ یوم ولادت منا کر اللہ کا شکر ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دورِ رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانے میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجودہ زمانے کے مطابق کیوں نہیں منائی گئی؟ تو اس کی وضاحت ڈاکٹر علی الجندی نے اس طرح کی ہے:۔

"چونکہ یہ تقریب خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے متعلق تھی اور آپ دیگر سلاطین کی طرح اپنی تشہیر نہیں چاہتے تھے بلکہ تواضع وانکساری اختیار فرماتے تھے۔ اس لئے آپ نے اس انداز میں عید میلاد النبی کو رواج نہیں دیا۔"

خلفائے راشدین میں سے پہلے دو خلفاء کا دور جہاد اور اسلامی حکومت کے قیام کا دور تھا۔ جبکہ تیسرے اور چوتھے خلیفہ کا دورِ حکومت فتنہ و فساد کا زمانہ تھا۔ اس لئے ان کی کامل توجہ ان ہی اُمور کی طرف رہی اور جشن میلاد النبی کی طرف زیادہ توجہ نہ ہو سکی۔ (دیکھئے الازہار فی مولد المختار، ص ۱۳۰، مطبوعہ مصر)

مذکورہ بالا قول سے یہ ثابت ہوا کہ دورِ رسالت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور عہدِ صحابہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا موجودہ دور کے مطابق میلاد نہ کرنا مصلحت کے تحت تھا مگر حقیقت میں وہ میلاد النبی کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے گھر میں لوگوں کے سامنے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے واقعات بیان کر رہے تھے لوگ فرحت اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ اللہ ربّ العزت کی حمد بیان کر رہے تھے کہ اس نے یہ نعمتِ کبریٰ عطا کی اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں دُرود بھیج رہے تھے کہ اچانک حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ارشاد فرمایا، میری شفاعت تم لوگوں کیلئے حلال ہو گئی۔ (دیکھئے الدرالمنظم فی المولد النبی الاعظم تنویر لابی الخطاب الاندلسی ذکرہ الزرقانی)

حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح البیان میں بیان فرماتے ہیں، اور میلاد شریف کرنا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ جبکہ وہ بری باتوں سے خالی ہو۔ (دیکھئے کتاب روح البیان، ج۹، ص۵۶)

علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد پاک کی خوشی مناتے ہیں تو وہ خوشی دوزخ کی آگ کیلئے پردہ بن جائے گی اور جو میلاد پر ایک دِرہم خرچ کرے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے، جو قبول ہو گی۔ (دیکھئے کتاب مولد العروس، ص۹، مطبوعہ بیروت)

حضرت امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے مہینے میں اہلِ اسلام ہمیشہ سے میلاد کی محفلیں منعقد کرتے چلے آرہے ہیں اور خوشی کے ساتھ کھانا پکاتے ہیں اور دعوتیں کرتے، راتوں میں قسم قسم کے صدقے اور خیرات کرتے، خوشی کا اظہار کرتے، نیک کاموں میں حصہ لیتے اور آپ کا میلاد شریف پڑھنے کا خاص انتظام کرتے آرہے ہیں۔ (دیکھئے کتاب زرقانی علی المواہب، ج۱، ص۱۳۹، مطبوعہ بیروت)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے یومِ ولادت کی خود تعظیم کیلئے ہر پیر کا روزہ رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی کرنا قرآن مجید کا مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (پ۱۱۔ سورۂ یونس: ۵۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔

اللہ تعالیٰ نے رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑی رحمت ہیں۔

(دیکھئے کتاب المولد الروی، ص۱۷، مطبوعہ مدینہ منورہ' از ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حضرت شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبد الرحیم ارشاد فرماتے ہیں، میں ہر سال ایام مولود شریف میں کھانا پکا کر لوگوں کو کھلایا کرتا ہوں۔ ایک سال قحط کی وجہ سے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ ہوا میں نے وہی چنے تقسیم کر دیئے۔ رات کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بھنے ہوئے چنے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان چنوں سے بہت مسرور اور خوش ہیں۔ (دیکھئے کتاب الدار الثمین، ص ۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں، میں مکہ مکرمہ میں میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دن مولود مبارک میں تھا۔ اس وقت لوگ آپ پر درود شریف پڑھتے تھے اور آپ کی ولادت کا ذکر کرتے تھے جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے۔ میں نے اس مجلس میں انوار وبرکات دیکھے یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں جو ایسی مجالس اور مشاہدہ پر مقرر ہوتے ہیں۔
(دیکھئے کتاب فیوض الحرمین، ص ۲۷)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ۱۲/ربیع الاوّل شریف کو لوگوں کو اِکٹھا کرتے اور ولادتِ پاک کا ذکر کرتے اور مٹھائی تقسیم کی جاتی۔ (دیکھئے کتاب الدار المنظم، ص ۸۹)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں، یہاں میلاد شریف کرنے والوں کیلئے سند دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کی شب خوشی منائیں اور مال خرچ کریں۔ ابو لہب جو کافر تھا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں کنیز آزاد کردینے کی اسے جزا دی گئی تو مسلمان کا کیا حال ہوگا جو محبت و مسرت سے بھرپور ہو کر مال خرچ کرتا ہے اور میلاد شریف کرتا ہے۔ (دیکھئے مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۲۴)

اہلحدیث، وہابی مکتبہ فکر کے مولوی ابن تیمیہ لکھتے ہیں، اگر محفل میلاد کے انعقاد کا مقصد تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تو اس کے کرنے والے کیلئے اجرِ عظیم ہے۔ (دیکھئے اقتضاء الصراط المستقیم)

وہابی اہلحدیث مکتبہ فکر کے ایک اور امام شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ثویبہ نے دودھ پلایا جو ابو لہب کی آزاد کردہ تھی۔ ابو لہب نے ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا تھا جب اس نے ابو لہب کو آپ کی ولادت کی بشارت دی تھی۔ موت کے بعد ابو لہب کو دیکھا گیا اور اس سے پوچھا گیا، تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا جہنم میں ہوں، مگر ہر پیر کے دن میرے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے اور اس نے اپنی انگلی کے سرے کی طرف اشارہ کرکے کہا میں اس کو چوستا ہوں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا تھا جب اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی بشارت دی تھی اور آپ کو دودھ پلایا تھا۔ ابو لہب کافر جس کی مذمت میں قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی۔ جب اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت

کی خوشی منانے پر جزادی گئی تو آپ کی اُمت کے اس مسلمان اور موحد کا کیا صلہ ہوگا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کی خوشی مناتے ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے سیرۃ الرسول، ص ۱۳، مطبوعہ المطبعۃ العبیہ بحوالہ شرح مسلم کتاب الصیام)

غیر مقلد وہابی مکتبہ فکر کے ایک اور امام و مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی فرماتے ہیں جس کو حضرت کے میلاد کا سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکرِ خدا کا حصول پر اس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ (دیکھئے کتاب الشمامۃ العنبریہ، ص ۱۲)

دیوبند مکتبہ فکر کے پیشوا اور امام حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں، مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔ (ملاحظہ کیجئے کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ، ص ۵، مطبوعہ دیوبند)

مسلمانو! مذکورہ بالا درخشاں دلائل و براہین کو جان لینے کے بعد یہ بات واضح ہو چکی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مقدس زمانے سے لیکر آج تک مسلمانوں کی اکثریت میلاد شریف کے انعقاد پر متفق ہے۔ دورِ صحابہ سے لیکر دورِ حاضرہ تک محفلِ میلاد کا منعقد کرنا مسلمانوں کے رسم و رواج میں داخل ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے محفلِ میلاد منعقد کی اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے واقعات بیان فرمائے۔ اس روشن حقیقت کے باوجود آج اگر کوئی یہ کہے کہ میلاد شریف کا کرنا دورِ صحابہ میں نہیں تھا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے بعد ہی کسی نے اس رسم کی ابتداء کی ہے اوّل تو یہ کہنا ہی سراسر جھوٹ ہے اور اگر اس بات کو درست مان بھی لیا جائے تو اس میں حرج بھی کیا ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی آج بھی بھٹکی ہوئی انسانیت کی رہنمائی کیلئے موجود ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتا ہے، جس نے اسلام میں سنتِ حسنہ یعنی اچھا طریقہ جاری کیا پھر اس کے بعد اس اچھے طریقے پر عمل کیا گیا تو اس شخص کو اتنا ہی اجر و ثواب ہے جتنا کہ اس کے بعد سب عمل کرنے والوں کو ملے گا۔
(دیکھئے مسلم شریف، ج ۲، ص ۱۸۷۔ مشکوۃ شریف، ج ۱، کتاب العلم)

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں تمام عالمِ اسلام نے اچھے اور پاکیزہ طریقوں پر عمل کیا۔ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون سا اچھا طریقہ ہو سکتا ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفادار اُمتی فرحت و انبساط کا اظہار کرتے ہیں۔ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان و شوکت اور عظمت کے ترانے الاپتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ دعوتیں کرتے ہیں۔ غرباء فقراء میں خیرات تقسیم کرتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں۔ یہ خوشی کے انمول لمحات جہاں شمع رسالت کے پروانوں کیلئے سرمایہ سعادت ہیں، وہاں دشمنوں اور بے ادبوں کیلئے پیغامِ غم بھی ہے۔ وہ جلتے ہیں، کڑھتے ہیں، نفرت اور بغض کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ محبتِ رسول میں گستاخِ رسول کو جلانا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔

جلنے والے آج سے نہیں جل رہے یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو جلنے والوں کا سردار ابلیس لعین سب سے پہلے جل اُٹھا۔

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خصائص کبریٰ میں ارشاد فرماتے ہیں، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو ساری زمین نور سے چمک اُٹھی، اور ابلیس (شیطان) بولا آج رات ایک بچہ پیدا ہوا ہے اب ہمارا کام مشکل ہوگیا۔ حضور کی ولادت کے وقت ابلیس غمگین و پریشان آواز کے ساتھ رو دیا اور جب برے ارادے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب ہونا چاہا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اس کو ایک ایسی ٹھوکر لگائی کہ وہ عدن میں جا گرا۔ (دیکھئے کتاب خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۱۰۵۔ سیرۃ حلبیہ، ج ۱، ص ۶۵)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پر رونا، آہ و بکاہ کرنا ابلیس کا طریقہ ہے مومنوں کا نہیں۔

مدارج نبوۃ میں ہے کہ ہر نبی نے اپنی اپنی اُمت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خبر دیتے ہوئے فرمایا، میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔

غور فرمایئے! بچوں کے نام ساتویں روز ماں باپ رکھتے ہیں مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے ۵۷۰ سال پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ اس آنے والے نبی کا نام احمد ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ نام احمد ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کا انتخاب پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولات کا ذکر کرنا بھی میلاد ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرات انبیاء نے اپنی قوم کے مجموعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے جبکہ آج علماء حق اپنے جلسوں میں یہ کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے، فرق ماضی اور مستقبل کا ہے۔ مقصد ایک ہی ہے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد منانا انبیاء کا طریقہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:۔

اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا (پ ۷۔ سورۃ المائدہ: ۱۱۴)

اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی۔

غور فرمایئے! دستر خوان آنے کے دن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عید کا دن قرار دیا۔ آج بھی عیسائی اتوار کو اسی لئے عید مناتے ہیں کہ اس دن دستر خوان اترا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس دستر خوان سے کہیں بڑھ کر عظیم تر نعمت ہے۔ لہٰذا ان کی ولادت کا دن یوم عید کیوں نہ ہوگا۔

آج کسی کے ہاں فرزند پیدا ہو تو ہر سال اس کی تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن منایا جاتا ہے۔ کسی کو سلطنت ملے تو اس کی خوشی میں جشن منایا جائے اور یہ سب کچھ جائز کہلائے مگر تعجب ہے کہ جس تاریخ کو دنیا کو عظیم ترین نعمت حاصل ہو، اور دنیا کے نجات دہندہ کا یوم پیدائش ہو تعجب ہے اس دن خوشی منانا بدعت و حرام کہلائے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارا تعلق اس نبی سے ہے جس نبی کے اُمتی ہونے کی خواہش انبیاء کرام نے کی۔ ایسے سرچشمہ رحمت نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت ہونے پر ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کریں، خوشی کا اظہار کریں، محافلِ میلاد کے تذکرے کریں بالکل جائز اور باعثِ خیر و برکت ہے اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی نعمتیں ہیں ان کا ذکر کرنا باعثِ فلاح و نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور

تو اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (پ ۲۱۔ سورۃ لقمان: ۲۷)

قرآن مجید کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ روئے زمین کے تمام درختوں کو قلم بنایا جائے اور تمام سمندر سیاہی بنا دیئے جائیں اور ان قلموں سے تمام جن و انس، حور و ملک اللہ تعالیٰ کے اوصاف و کمالات، شان و عظمت، تعریف و توقیر لکھنے بیٹھیں تو سات سمندر خشک ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے فضائل و کمالات کا سمندر اسی طرح موجزن رہے گا۔ سارے قلم گھس جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے مراتب و خصائص کبھی ختم نہ ہوں گے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اور ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ ۱۴۔ سورۃ النحل: ۱۸)

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لا محدود اور لا متناہی ہیں جن کو شمار کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (پ ۲۶۔ سورۃ فتح: ۲)

اور آپ پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔

مذکورہ بالا تینوں آیات کا جائزہ لینے سے یہ بات بالکل دن کے اُجالے کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام کمالات اور تمام لا محدود نعمتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مکمل فرما دیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات لا محدود ہیں۔ اگر تمام جن و انس درختوں کے قلم اور سمندر کی سیاہی سے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات

لکھتے رہیں تو قلم گھس جائیں، دریا خشک ہو جائیں۔ مگر اوصاف وکمالات احاطہ تحریر میں نہ آئیں گے اور کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کو بیان کر بھی کیسے سکتا ہے کہ جن کا مدح خواں خود اللہ تعالیٰ ہو جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہو۔

پس جو جو کمالات کسی کو مل سکتے ہیں یا جو فضائل ومراتب اللہ تعالیٰ کسی کو عطا کر سکتا ہے وہ سب کے سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا کر دیئے۔ حضور کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا اگر امکان ہوتا یا حضور سے کوئی زیادہ پیارا ہوتا تو کچھ نعمتیں اس کیلئے رکھ دی جاتیں۔ جب آپ کے بعد کوئی نبی ہی نہیں اور نہ ہی آپ سے زیادہ کوئی پیارا ہے تو سب رحمتیں سب نعمتیں سب برکتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم کر دیں۔ غور فرمایئے جس نبی کے فضائل وکمالات اور مراتب واوصاف اس قدر عظیم تر ہوں ایسی شان وعظمت والے رسول کے بارے میں آج عقل کے گھوڑے دوڑانے والے جدید مولوی یہ کہیں کہ ان کی آمد پر خوشی نہ کرو، جشن نہ مناؤ، محفلِ میلاد کا انعقاد نہ کرو، حضور سے ثابت نہیں، کسی صحابی سے ثابت نہیں، یہ بدعت ہے، بدعت گمراہی ہے، بدعت کرنے والا جہنمی ہے۔ مسلمانوں کو ڈرایا جارہا ہے اور اس طرح علم سے ناآشنا سیدھے سادھے مسلمان منکروں کے دامِ فریب میں آتے جارہے ہیں۔ وہ پیارے رسول کہ جن کی تشریف آوری سے ہمیں دین ملا، ایمان ملا، قرآن ملا، اور معرفتِ الٰہی کا راستہ ملا اس عظیم رہبر ورہنما سے محبت وعقیدت کا رشتہ توڑا جارہا ہے۔ اُمتِ مسلمہ جو پہلے ہی انتشار وافتراق کا شکار ہے جسے غیر اسلامی طاقتیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہتی ہیں۔

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق اس وقت سرزمین عرب پر ۳۷ امریکی جنگی طیارے، ۲۴ بحری جنگی اور طیارہ بردار جہاز موجود ہیں جو کسی بھی وقت مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہود ونصاریٰ کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کے روحانی مراکز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کرکے پوری اُمتِ مسلمہ کو اپنا دستِ نگر بنالیا جائے ان کٹھن حالات میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان جشنِ ولادتِ رسول کے موقع پر اپنی ایمانی غیرت کا بھرپور مظاہرہ کرتے۔ بڑے بڑے جلوس اور عظیم الشان اجتماعات کرکے دنیا بھر کے کفار ومشرکین پر اپنی یکجہتی کا سکہ بٹھا دیتے تاکہ ان کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا مگر افسوس اس کے برعکس اگر کوئی حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد مناتا ہے آپ کے ذکر سے اپنے دل کے اندھیرے کو روشن کرتا ہے، اپنے محبوب نبی کی پاکیزہ یادوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خراجِ تحسین وخراجِ عقیدت پیش کرنے کیلئے جلوس میں شرکت کرتا ہے تو نہ جانے لوگ کیوں خفا ہو جاتے ہیں۔ کہیں یہ یہود ونصاریٰ کی سازش تو نہیں؟

اے مسلمانو! یاد رکھئے! دنیا میں وہی انسان سرخرو ہے جو اپنے آپ کو شمع جمالِ محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا پروانہ بنائے اس روئے تاباں کے عشق کی آگ سے اپنے خرمن ہستی کو جلا ڈالے جب تک کسی کے دل میں عشقِ رسول کی شمع روشن نہ ہوگی درحقیقت وہ کامل مسلمان نہیں اور جب تک کوئی انسان محبتِ رسول سے گھائل ہوکر مرغِ بسمل کی طرح تڑپتا نہ ہوگا وہ ہرگز مومن نہ ہوگا۔

بدنصیبی سے آج یہ اُمت نہ جانے کس رُخ پر چلی جارہی ہے دن بدن دشمن اسلام یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اختیار کئے جارہے ہیں۔ یوم آخرت پر ہمارا ایمان کامل ہے مگر آہ! آج ہم اپنی آخرت سے قطعی لاتعلق ہوتے جارہے ہیں گویا ہمیں کبھی اس دنیائے فانی سے جانا ہی نہیں۔ شب و روز مال و زر کے حصول کیلئے کوشاں ہیں، صبح ہے تو دنیا کی فکر، شام ہے تو دنیا کا خیال، دوپہر ہے تو اسی کا تصور، رات ہے تو اسی کی دھن، اس چند روزہ زندگی پر ذرا غور کیجئے کہ ہمارے بچپن کے وہ ساتھی جو کبھی ہمارے ساتھ کھیلا کرتے تھے، کیا وہ سب کے سب موجود ہیں؟ ہماری جوانی کے وہ دوست و احباب جن سے ہماری محفلوں میں رونقیں ہوا کرتی تھیں، کیا وہ سب کے سب اس وقت عالم دنیا میں ہیں؟ ہمارے وہ عزیز و اقارب جو کبھی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دِلوں کا چین ہوا کرتے تھے، کیا اس وقت موجود ہیں؟ ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں کتنوں نے تو بچپن ہی میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور قبروں کے گڑھے میں ہمیشہ کیلئے دفن کر دیئے گئے، کتنے احباب جوانی تک ساتھ دے سکے آخر کار وہ بھی چل بسے اور کچھ ایسے ہیں جو بڑھاپے میں ساتھ چھوڑے جارہے ہیں بالکل انہی لوگوں کی طرح ہمیں بھی ایک نہ ایک دن دنیا کی عیش و عشرت چھوڑ کر دنیا کو الوداع کہنا ہوگا اور بے بس و لاچار، ساتھ میں گناہوں کا انبار، چار کاندھوں پر سوار، قبر کی آغوش میں ہمیشہ کیلئے تنہا چھوڑ دیا جائے گا۔ آج دوست احباب ملنے جلنے والے سب چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد سوائے تنہائی اور قبر کی خوفناک رات کے اور کچھ نہ ہوگا۔ کبھی تنہائی میں اس گھڑی کو بھی یاد کرو۔ ذرا رات کے وقت اپنے گھر کے دروازے اور بجلی بند کر کے تنہائی میں سوچیں اور یہ تصور کریں کہ کل مجھے اس سے بھی زیادہ تاریک اور خوفناک گڑھے میں پھینک دیا جائے گا، خوفناک ماحول میں منکر و نکیر کی آمد ہوگی، سوالات کی بوچھاڑ ہوگی، فرشتوں کی خوفناک شکلیں دیکھ کر ہی اوسان خطا ہو جائیں گے۔ ایسے میں گھبراہٹ کا یہ عالم ہوگا کہ صحیح جواب دینا بھی بس میں نہ ہوگا۔ نماز کے بارے میں حساب ہوگا، دنیا میں کس طرح وقت گزارا، مال کیسے کمایا، نمازیں کتنی پڑھیں، کیا کچھ رنگ رلیاں منائیں، جو گناہ دنیا میں کئے اس کی سزا کا آغاز قبر ہی سے شروع ہو جائے گا اور اس سے بھی زیادہ جو افسوسناک بات' وہ یہ ہے کہ صرف معاملہ قبر کی اندھیری رات پر ہی ختم نہیں ہوگا بلکہ بروزِ قیامت دوبارہ زندہ ہونا ہوگا اور ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ گناہوں کے دفتر کھلے ہونگے۔ مظلوم ظالموں سے حقوق طلب کر رہے ہونگے۔ آج تو ماں باپ بہن بھائی اور عزیز اقرباء مصیبت و تکلیف میں کام آجاتے ہیں۔ مگر اس روز سب بیگانے ہوں گے۔ اس مصیبت کے دن

اگر کوئی ذات ہماری مدد کرے گی بھی تو صرف حضور سرورِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہو گی جو گنہگار اُمتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میں اپنی اُمت کی شفاعت کراؤں گا یہاں تک کہ میرا پروردگار کہے گا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! کیا تو راضی ہوا تو میں عرض کروں گا اے میرے پروردگار میں راضی ہوں۔ (دیکھئے تفسیر درِ منثور، ج ٦، ص ٣٦١۔ تفسیر قرطبی، ج ٢٠، ص ٩٤۔ تفسیر روح البیان، ج ٣٠، ص ٤٥٥)

مسلمانو! خدارا غفلت سے باز آجاؤ۔ حضور کی محبت دلوں میں بٹھالو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہی نہیں کہ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب جوش و خروش سے منائی جائے بلکہ عشقِ رسول کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا جائے۔ نماز، روزے کی پابندی کی جائے۔ صاحبِ حیثیت ہونے پر حج و زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کی جائے۔ برائیوں سے بچا جائے۔ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انعقاد پر کسی اسلام دشمن کی مخالفانہ باتوں پر یقین نہ کیا جائے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میلاد کا انکار دراصل نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا انکار ہے۔ اور یہ انکار اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے جس سے آپ کو بچنا ہے، اپنے اہل و عیال کو بچانا ہے، دوست و احباب کو بھی بچانا ہے غرض یہ کہ جہاں تک آپ سے ممکن ہو سکے اُمتِ مسلمہ کو میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہونے والی سازشوں سے بچانا ہے۔

مسلمانو! عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے سے متعلق آپ کی خدمت میں جو حقائق پیش کئے ہیں ان حقائق کی روشنی میں اب کسی مسلمان کو شک و شبہ اور اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں۔ اب اگر کسی جگہ محفل میلاد میں کوئی غیر شرعی کام ہوتا ہے تو اس کی بناء پر میلاد کی تمام محافل کو بدعت، ناجائز اور حرام قرار دینا ہرگز جائز نہیں۔

دیکھئے عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو مسلمانوں کی اجتماعی عبادات اور خوشی کے ایام ہیں مگر بد نصیبی سے ان ایام کو آج میلوں کی شکل دے دی گئی ہے جس کی وجہ سے پارکوں اور دیگر تفریح گاہوں میں مرد اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔ عورتیں انتہائی بھڑکتے ہوئے لباس میں سرخی پاؤڈر سے بن سنور کر ساحل سمندر، پارکوں اور عام تفریح گاہوں میں گھومتی پھرتی نظر آئیں گی۔ اوباش اور آوارہ لڑکے فحش حرکات کرتے ہیں۔ بلند آواز گانوں کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ ہر شہر ہر گاؤں ہر محلہ اور ہر گلی میں ایک میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔

اسلام کے احکام کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی جاتی ہیں یوں لگتا ہے کہ عید کیا آئی گویا ہر طرف بے حیائی کا بازار گرم ہو گیا۔ ان تمام ناجائز اور غیر اسلامی حرکات کے باوجود آج تک کسی مولوی نے یہ نہیں کہا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز بند کر دی جائیں یا عید کے دن خوشیاں نہ منائی جائیں۔ لوگ نہا دھو کر اور نئے کپڑے پہن کر عید گاہوں میں ہرگز نہ جائیں۔ کیونکہ عید کا دن منانے سے بے شمار حرام کاموں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ عید کی نماز فرض نہیں بلکہ سنتِ موکدہ ہے اگر کسی سنت کو اپنانے سے بے شمار برائیوں کے دروازے کھلنے لگ جائیں تو اس سنت کو ترک کر دینا چاہیے۔

اسی طرح ۱۴/اگست اور ۲۳/مارچ قومی تہوار ہیں۔ ان قومی تہواروں میں بھی خرافات ہوتی ہیں ہر طرف بے حیائی کا بازار گرم نظر آتا ہے مگر آج تک کسی مولوی نے یہ نہیں کہا کہ ان قومی تہواروں کو منانا بند کرو۔ آج کل شادی بیاہ اور نکاح کی تقریب میں گانے باجے سننے اور بے پردہ عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات دیکھنے میں آتے ہیں جس سے شرعی احکام کی نافرمانیاں ہوتی ہیں مگر آج تک کسی مولوی نے نکاح کو ممنوعات یا بدعت ناجائز و حرام قرار نہیں دیا بلکہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ میلاد کو ناجائز کہتے ہیں ایسے مولویوں کی کثیر تعداد ان شادی ہالوں یعنی بدعت خانوں میں نکاح پڑھاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ویڈیو اور تصاویر بنوائیں گے۔ نکاح پڑھا کر پیسے وصول کریں گے جو کسی حدیث سے ثابت نہیں آخر یہ بدعت کیوں؟ مرد اور عورتیں دفتروں میں مخلوط ملازمتیں کر رہے ہیں جو بدعت ہے۔ دین کے ٹھیکیدارو! ذرا اس بدعت کو ختم کرو۔ گھر گھر میں ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا کے ذریعے برہنہ فلمیں دیکھی جا رہی ہیں جو حرام و ناجائز اور بدعت ہے ذرا اس بدعت کو ختم کرو۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جو نہ سنت ہے اور نہ ہی کسی صحابی کے عمل سے ثابت ہے، جو قطعی بدعت ہے اس بدعت کو ختم کرو۔ اس وقت ہزاروں بدعتیں جو ہر گھر میں عام ہیں خود مولویوں کے گھر بدعتوں سے محفوظ نہیں جب ان سب پر فتویٰ نہیں تو صرف میلاد شریف پر فتویٰ کیوں؟

اگر بعض جگہ محافلِ میلاد میں کوئی خرابی ہوتی ہے یا کوئی غیر شرعی عمل ہوتا ہے تو ان غیر شرعی اعمال کی بناء پر طریقہ کار کو تو غلط کہا جا سکتا ہے مگر محافلِ میلاد کو حرام اور ناجائز ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

پیارے مسلمان بھائیو اور محترم بہنو! ایک مسلمان کا رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو روحانی اور قلبی تعلق ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کی عقیدت اور محبت ہر مومن کے دین و دنیا کا سرمایہ ہے یہی ایسا روحانی تعلق ہے جسے قائم رکھ کر ہر مسلمان دونوں جہاں میں سرخرو ہو سکتا ہے اور یہ تعلق اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ جب ہم دینی محبت و محبت کو عملی اتباع کی صورت میں بھی ظاہر کریں۔ نماز روزے اور دیگر فرائض و واجبات کو اپنائیں۔ اتباعِ رسول کے بغیر ہم ان معاملات کے مستحق ہر گز نہیں ہو سکتے جن سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کو نوازا تھا۔ اس پُر آشوب دور میں محفلِ میلاد کو اُجاگر کرنا یقیناً ہر مومن مسلمان کی ضرورت ہے کیونکہ آپ ہی کی ذات بابرکات تمام اُمت کیلئے مشعلِ راہ اور راہِ نجات کا سبب ہے۔

اے مسلمانو! اگر آپ درِ رسول کی گدائی سے فیض پانا چاہتے ہیں تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں عقل و فراست کے گھوڑے ہر گز مت دوڑاؤ، ورنہ خود فریبی کا شکار ہو کر خالی ہاتھ دنیا سے لوٹ جاؤ گے۔ اگر آپ ایمان و معرفت کی راہوں کو اختیار کرو گے تو دامن دل کو نورِ ایمان سے مالامال کر کے لوٹو گے۔ آپ کی ذاتِ گرامی مومنوں کیلئے نعمتِ عظمیٰ ہے جس کا ہم جس قدر شکر ادا کریں کم ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ایک ادنیٰ اُمتی ہونے کی حیثیت سے آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی منائیں جس طرح صحابہ کرام اور آئمہ کرام اور مقتدر علماء دین نے محافلِ میلاد کا انعقاد کیا اور اس عید کو انتہائی جوش و خروش سے منایا لہٰذا ہم بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے محافلِ میلاد کا انعقاد کریں نظم و ضبط کے ساتھ جلسے اور جلوس کا اہتمام کریں اور چراغاں کریں۔

وہ محبوب نبی جو اُمت کے غم میں آنسو بہائیں جو بروزِ قیامت اُمت کی شفاعت فرمائیں اس مقدس نبی کے بارے میں ایسے نظریئے کو فروغ دینا کہ حضور کے میلاد کا چرچا مت کرو' شقاوت قلبی، انتہائی درجہ کی بدنصیبی کے سوا اور کچھ نہیں۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ جس دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اس تاریخ میں صحابہ کرام اچھے اچھے کھانے پکاتے اور خوشی منایا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ)

پس اے مسلمانو! اس قول کی روشنی میں ہمیں بھی چاہئے کہ صحابہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کریں۔

آخر میں مَیں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وِصال ۱۲/ ربیع الاوّل کو ہوا لہٰذا اس دن غم منانا چاہیے۔

پیارے مسلمانو! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ۱۲/ ربیع الاوّل کو ہوا تھا یا نہیں آیئے اس حقیقت کو بھی جان لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے مسلمانوں کے امیر! آپ اپنی کتاب قرآن مجید میں ایک آیت تلاوت کرتے ہیں اگر ایسی آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن عید مناتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ وہ آیت کون سی ہے؟ یہودی بولا وہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ...... ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بے شک میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت کس مقام پر اور کس دن نازل ہوئی۔ یہ دورانِ حج ۹/ ذی الحجہ عرفات کے مقام پر جمعہ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ (ملاحظہ کیجئے مسلم شریف، ج۲، ص ۴۲۰)

اس قول میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۹/ ذی الحجہ کو جمعہ کے دن حج ادا کیا۔ اعلانِ نبوت کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک حج اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ادا کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اس کے تین ماہ بعد یعنی ربیع الاوّل میں آپ کا وصال ہو گیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ پیر کے دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ (ملاحظہ کیجئے بخاری شریف، ص ۹۳۔ ۹۴)

پیارے مسلمانو! ذی الحجہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج ادا کیا پھر محرم اور صفر کے ماہ درمیان میں آئے اور پھر ربیع الاوّل میں پیر کے دن آپ کا وصال ہو گیا پیر وہ دن ہے کہ جس دن حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور اسی دن آپ کا وصال ہوا۔ ۱۲/ ربیع الاوّل یوم وصال ہرگز نہیں کیونکہ وصال پیر کے دن ہوا۔ تین ماہ بعد آنے والے ربیع الاوّل میں ۱۲/ ربیع الاوّل یوم وصال ہرگز نہیں بنتا، جس کا اندازہ آپ نیچے دیئے ہوئے چارٹ سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

1. اگر کل ماہ ۲۹ کے مان لئے جائیں تو تاریخی چارٹ حسب ذیل ہو گا۔

ذی الحجہ

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
2	1					
حج الوداع 9	8	7	6	5	4	3
16	15	14	13	12	11	10
23	22	21	20	19	18	17
	29	28	27	26	25	24

محرم

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
1						
8	7	6	5	4	3	2
15	14	13	12	11	10	9
22	21	20	19	18	17	16
29	28	27	26	25	24	23

صفر

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
7	6	5	4	3	2	1
14	13	12	11	10	9	8
21	20	19	18	17	16	15
28	27	26	25	24	23	22
						29

ربیع الاوّل

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
6	5	4	3	2	1	
	12	11	10	9	8	7

مذکورہ چارٹ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ ربیع الاوّل کے ماہ میں پیر کا دن ۲ اور ۹ ربیع الاوّل کو آیا تھا۔

2. اگر کل ماہ ۳۰ دن کے مان لیے جائیں تو تاریخی چارٹ حسبِ ذیل ہوگا۔

ذی الحجہ

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
2	1					
حج الوداع 9	8	7	6	5	4	3
16	15	14	13	12	11	10
23	22	21	20	19	18	17
30	29	28	27	26	25	24

محرم

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
7	6	5	4	3	2	1
14	13	12	11	10	9	8
21	20	19	18	17	16	15
28	27	26	25	24	23	22
					30	29

صفر

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
5	4	3	2	1		
12	11	10	9	8	7	6
19	18	17	16	15	14	13
26	25	24	23	22	21	20
			30	29	28	27

ربیع الاوّل

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	پیر	اتوار	ہفتہ
3	2	1				
10	9	8	7	6	5	4
				13	12	11

اس چارٹ کو دیکھنے سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ماہِ ربیع الاوّل میں پیر کا دن ۶ اور ۱۳ ربیع الاوّل کو آیا تھا۔

3. اگر ایک ماہ ۳۰ دن کا اور دو ماہ ۲۹ دنوں کے مان لے جائیں تو تاریخی چارٹ حسبِ ذیل ہو گا۔

ذی الحجہ

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
					1	2
3	4	5	6	7	8	حج الوداع 9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

محرم

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29						

صفر

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29					

ربیع الاول

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12

اوپر دیئے ہوئے تاریخی چارٹ کو دیکھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ماہِ ربیع الاوّل میں پیر کا دن ۱ اور ۸ ربیع الاوّل ہے۔

4. اگر ایک ماہ ۲۹ اور دو ماہ ۳۰ دِنوں کے مان لیے جائیں تو تاریخی چارٹ حسبِ ذیل ہو گا۔

ذی الحجہ

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
					1	2
3	4	5	6	7	8	حجۃ الوداع 9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	

محرم

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29

صفر

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
30	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
29	30					

ربیع الاول

ہفتہ	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14				

مذکورہ چارٹ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ماہِ ربیع الاوّل میں پیر کا دن ۷ اور ۱۴ ربیع الاوّل کو آیا۔

پس اے مسلمانو! مذکورہ بالا تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضورِ اکرم نورِ مجسم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ۱۲/ربیع الاوّل کو ہرگز نہیں ہوا تھا لہٰذا جو لوگ بارہ ربیع الاوّل کو یوم وصال یا یوم غم کہتے ہیں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں جو اس آڑ میں دراصل مسلمانوں کو اس متبرک دن کی یاد منانے سے روکنا چاہتے ہیں۔

مسلمانو! جہاں تک غم منانے کا معاملہ ہے اس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی کا غم منائے ہاں اپنے شوہر کا چار ماہ دس دن تک غم مناسکتی ہے۔ (ملاحظہ کیجئے مسلم شریف، ج ا، ص ۴۸۷)

پیارے مسلمانو! اس حدیثِ پاک کی روشنی میں اگر ۱۲/ربیع الاوّل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یوم وصال مان بھی لیا جائے تو پھر بھی غم منانا حکمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا اور غم منانے والا دو طرح کی نافرمانیوں کا مرتکب ہوگا۔ اوّل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی نہ مناکر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا نہ کیا۔ دوئم وصال کا غم مناکر حکمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کھلی نافرمانی کی۔ ان حقائق کے باوجود اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ یوم وصال ہے اور ہم غم ہی منائیں گے تو اسے چاہئے کہ یہ غم ہر سال نہ منائے بلکہ ہر ہفتے پیر کے دن منانے کا اہتمام کیا کرے کیونکہ پیر کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہونا ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں ماہِ ربیع الاوّل کی تعظیم کرنے اور یوم میلاد منانے اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اس مضمون کے لکھنے میں مجھ ناچیز سے اگر کوئی لفظی یا معنوی غلطی ہو گئی ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کے صدقے میں میری ان خطاؤں کو درگزر فرمائے۔ میری اس کتاب کو پوری اُمت کیلئے اتحاد و اتفاق اُخوت اور بھائی چارگی کا ذریعہ بنائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آپ کا دردمند بھائی

محمد نجم مصطفائی

7-8-96